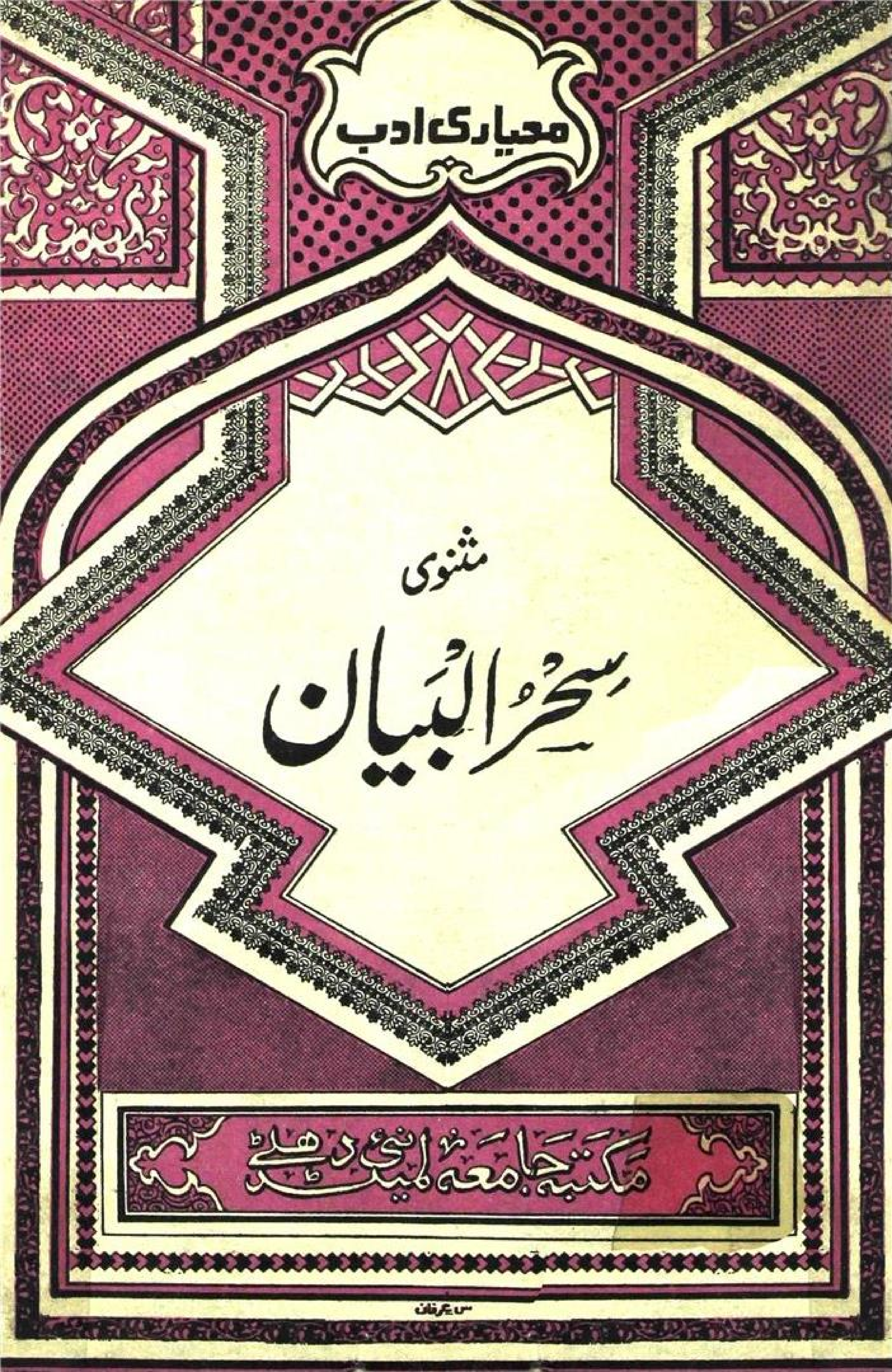

معیاری ادب

مثنوی

سحر البیان

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

س عرفان

مثنوی

سحر البیان

میر غلام حسن حسنؔ دہلوی

تصحیح و ترتیب

رشید حسن خاں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

صدر دفتر
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
جامعہ نگر
نئی دہلی 110025

شاخ
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
اردو بازار
دہلی 110006

شاخ
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
پرنس بلڈنگ
بمبئی 400003

شاخ
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
شمشاد مارکیٹ
علی گڑھ 202002

تعداد ۱۰۰۰

قیمت 16/00

اگست 1987

برٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) دریا گنج دہلی 110002

پیش لفظ

میر غلام حسن حسنؔ دہلوی (خلفِ میر غلام حسین ضاحکؔ) کی معروف مثنوی سحر البیان، اپنے رنگ کی منفرد مثنوی ہے۔ سادہ بیانی، جذبات نگاری اور جزئیات کی عکّاسی؛ اِس کی اہم خصوصیات ہیں۔ اِس کی تصنیف کو کچھ کم دو سو برس گزر چکے ہیں؛ اِس طویل مدّت میں کوئی ایسی مثنوی سامنے نہیں آئی، جس کو اِن خصوصیات کے لحاظ سے، اِس کے مقابلے میں پیش کیا جا سکے۔ مولانا محمد حسین آزادؔ نے اپنی بے مثال عبارت میں اِس مثنوی کے متعلّق جو کچھ لکھا ہے، اُس کا اقتباس پیش کرنا کافی ہوگا:

> ”زمانے نے اس کی سحر البیانی پر تمام شعرا اور تذکرہ نویسوں سے محضر شہادت لکھوایا۔ اس کی صفائیِ بیان اور لطفِ محاورہ اور شوخیِ مضمون اور طرزِ ادا کی نزاکت اور جواب و سوال کی نوک جھونک حدِّ توصیف سے باہر ہے۔ آج کس کا مُنہ ہے کہ اُن خوبیوں کے ساتھ پانچ شعر بھی موزوں کر سکے۔ خصوصاً ضربُ المثل کو اس خوب صورتی سے شعر میں مسلسل کر جاتے ہیں کہ زبان چٹخارے بھرتی ہے اور نہیں کہہ سکتی کہ یہ کیا میوہ ہے۔ عالمِ سخن کے جگت گرو مرزا رفیع سوداؔ، اور شاعروں کے سرتاج میر تقی میرؔ نے بھی کئی کئی مثنویاں لکھیں؛ لیکن فصاحت کے کتب خانے میں اس کی الماری پر جگہ نہ پائی۔ میر حسن مرحوم نے اسے

> لکھا اور ایسی صاف زبان، فصیح محاورے اور میٹھی گفتگو میں اور اس کیفیت کے ساتھ ادا کیا جیسے آبِ رواں۔ اصل واقعے کا نقشا آنکھوں میں کھنچ گیا اور اُنھی باتوں کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں جو اُس وقت وہاں ہو رہی تھیں؛ باوجود اس کے، اصولِ فن سے بال بھر اِدھر اُدھر نہ گرے۔ قبولِ عام نے اسے ہاتھوں میں لے کر آنکھوں پر رکھا اور آنکھوں نے دل و زبان کے حوالے کیا۔ اس نے خواص اہلِ سخن کی تعریف پر قناعت نہ کی، بل کہ عوام، جو حرف بھی نہ پہچانتے تھے، وظیفوں کی طرح حفظ کرنے لگے''۔

مثنوی کے آخر میں قطعاتِ تاریخ موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۴-۸۵ء) میں تکمیل کو پہنچی۔ غرّۂ محرم ۱۲۰۱ھ کو میر حسن نے وفات پائی؛ گویا یہ اُن کے انتقال سے کچھ ہی پہلے تکمیل ہوئی تھی، اور اُن کے انتقال کے تقریباً بیس برس بعد، فورٹ ولیم کالج کی طرف سے معرضِ طبع میں آئی۔ اُردو کے محسن ڈاکٹر گِل کرسٹ کی فرمایش پر، میر شیر علی افسوس نے اس پر ایک مفید مقدّمہ لکھا اور اُس مقدّمے کے ساتھ ۱۸۰۵ء میں ہندستانی پریس کلکتّہ میں چھپی۔ یہ اس کتاب کا سب سے اچّھا مطبوعہ نسخہ ہے۔ افسوس، میر حسن کے معاصر ہی نہیں تھے، اُن سے "دلی دوستی" رکھتے تھے اور "دس برس تک دن رات ایک جگہ رہے بل کہ اکثر آپس میں غزلیں طرح ہوئیں"، اس کے علاوہ، زمرۂ اہلِ قلم میں بھی ممتاز حیثیت رکھتے تھے؛ اس بنا پر بے جا نہ ہوگا اگر اُن کے مرتّب کیے ہوئے نسخے کو، بہ لحاظِ صحّتِ متن، خاص درجہ دیا جائے۔

نسخۂ جامعہ کا متن، اِسی نسخے پر مبنی ہے۔ پروفیسر نجیب اشرف ندوی مرحوم کے ذاتی کتب خانے میں اس واقعی کم یاب نسخے کی ایک جلد محفوظ تھی، مرحوم نے

ازراہِ شفقتِ خاص مرحمت فرمائی تھی (خدائے پاک مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے) اس سلسلے میں دو اور نسخے بھی پیشِ نظر رہے ہیں: ایک نظامی پریس کانپور کا چھپا ہوا، جس کے آخر میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ اس کا متن متعدد مطبوعہ و "ایک نسخۂ صحیحہ لکھے ہوئے سن بارہ سو سے درست کیا گیا"۔ یہ ۱۲۷۹ھ میں چھپا تھا۔ دوسرا نسخہ، کلیاتِ میر حسن کا وہ مخطوطہ ہے جو برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے اور جس کا سالِ کتابت ۱۲۵۹ھ ہے۔ اس مخطوطے کی مائکروفلم ڈاکٹر فضل الحق (ریڈر شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی) کی عنایت سے دیکھنے کو ملی۔ مخطوطۂ برٹش میوزیم اور نسخۂ نظامی پریس میں ایسے کئی شعر ہیں جن سے نسخۂ فورٹ ولیم کالج خالی ہے؛ اُن اشعار کو متن میں شامل کر لیا گیا ہے اور حاشیے میں نشان دہی کر دی گئی ہے۔ نسخۂ فورٹ ولیم کے بعض اشعار ان دونوں نسخوں سے غیر حاضر ہیں، اُن کی نشان دہی کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اختلافِ متن کی صورت میں اکثر مقامات پر نسخۂ فورٹ ولیم کالج کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔ جن مقامات پر اغلاطِ طباعت نمایاں تھیں اُن مقامات پر دوسرے نسخوں کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔

میر شیر علی افسوس کا مقدّمہ کئی اعتبارات سے اہمیّت رکھتا ہے۔ افسوس نے میر حسن کی وضع قطع، تلمذ اور تاریخ وفات وغیرہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ ایک معاصر اور رفیق کا بیان ہے، اور اِس لحاظ سے اس مقدّمے کی حیثیت، دستاویز کی سی ہے؛ اس بنا پر مناسب سمجھا گیا کہ اس کو بھی شامل کر لیا جائے۔

یہ مثنوی، میر حسن کی آخری عمر کی کمائی ہے، اس کے باوجود متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں اندازِ بیان میں گنجلک پن ہے اور بعض اشعار کی بندشیں بھی بے غایت سست ہیں۔ بعض مقامات پر بے جا رعایتِ لفظی نے بھی ژولیدگی کی تشکیل کی ہے۔ یہ بات ذہن میں رہنا چاہیے اور بعض اشعار کو اِسی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ اِس

صورت میں ذہن اُلجھے گا نہیں۔ افسوؔس نے بھی اشارتاً اِس پہلو کی طرف توجّہ مبذول کرائی ہے: "احیاناً اگر کسی شعر میں غلطی یا اُس کی بندش میں سستی پائی جائے تو قابلِ نام دھرنے اور اعتراض کرنے کے نہیں ..."۔ یہاں پر اس کا ذکر اسی لیے کیا گیا ہے کہ پڑھنے والوں کو بعض اشعار کے سلسلے میں پریشاں خیالی سے سامنا نہ کرنا پڑے اور یہ پہلو اُن کی نظر میں رہے۔

نسخہ فورٹ ولیم کالج نستعلیق ٹائپ میں چھپا ہے۔ اکثر الفاظ پر اعراب لگائے گئے ہیں۔ واؤ مجہول اور یاے مجہول کے لیے حرف کے اوپر ایک چھوٹا سا دائرہ بنا دیا گیا ہے جیسے: "پیشوا" اور "کو"۔ یاے ماقبل مفتوح اور واوِ ماقبل مفتوح کے لیے حرف کے اوپر یہ نشان ^ بنایا گیا ہے جیسے: "اَور"، "ہَیں"۔ درمیان لفظ میں نونِ غنّہ پر نقطہ نہیں رکھا گیا ہے، بل کہ چھوٹا سا دائرہ بنا دیا گیا ہے جیسے: پانْو، چھانْو۔ یاے معروف و مجہول اور ہاے ملفوظ و مخلوط میں امتیاز کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور پوری کتاب میں اِن اُمور کی پابندی کی گئی ہے۔

مکتبۂ جامعہ نے اُردو کی معیاری کتابوں کے سستے اڈیشن پیش کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا؛ یہ اُسی سلسلے کی کتاب ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اسی سلسلے کی دوسری کتابوں کی طرح، اِس کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

رشید حسن خاں

دیباچۂ میر شیر علی افسوس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد کی لیاقت اُسی صانع کو ہے، جس نے عناصرِ اربع کو (کہ آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہے) اپنی قدرتِ کاملہ سے ربط دے کر ارکان ٹھہرایا اور کیفیتِ متوسطہ پر مرکّبات کے اجسام کو بنایا، لیکن انسان کو ہر مخلوق سے شریف تر اور لطیف تر خلق کیا کہ نفسِ ناطقہ نے علاقہ اُسی سے پکڑا اور وہی کلّیات و جزئیات کی حقیقت سے ماہر ہوا، یہاں تک کہ تعلیم و تعلّم کا سلیقہ اُسے بہ خوبی آگیا، اور اُس کی زبان میں بھی استعداد ہر لُغت کے تلفّظ کی بخشی، چناں چہ اُس نے جس بولی کو چاہا سیکھ لیا، بلکہ سکھا دیا۔ پس لازم ہے کہ اُس کے شکر میں ہر دم اپنی زبان گویا رکھے، اور اُس کی حمد کو ہر حال میں اپنا ورد کرے۔

نہ بھول اپنے خالق کو اے دل نہ بھول   کہ یاد اُس کی ہے دونوں جگ کا حصول
اُسی کو مددگار اپنا سمجھ   اُسی کو فقط یار اپنا سمجھ
بُرے وقت میں کوئی اُس کے سوا   ترے کام آوے، یہ امکان کیا

محبّت سے سب کی اُٹھا اپنا دل   فقط اُس سے ہی بس لگا اپنا دل
زباں تیری گویا رہے جب تلک   اور امکاں سخن کا رہے جب تلک
کیا کر ثناے جہاں آفریں   سخن کوئی بس اِس سے بہتر نہیں
جو بعد اِس کے منظور ہو کوئی بات   تو کہہ نعتِ احمد، شہِ کائنات

فی الواقع ستودۂ خدا سب انبیا و اوصیا ہیں، تعریف اُن کی موافقِ مقدور ہر ایک کو ضرور ہے، خصوصاً نعت و منقبت خاتم المرسلین اور اُس کے وصی امیر المومنین (علیہما السّلام) کی، کیونکہ اُنھوں ہی نے دنیا میں ہم گمراہوں کو راہ ہدایت کی بتلائی کہ ہم نے منزل ایمان کی بہ سہولت پائی۔ عاقبت میں بھی امّید شفاعت کی اور نعماے جنّت کی اُنھیں سے رکھتے ہیں۔

بھروسا کسی کا نہیں اک ذرا   ہے اُن کا ہی ہم کو فقط آسرا
نبیّ و علی اپنے ہیں پیشوا   نبیّ و علی اپنے ہیں رہ نما
اُنھیں سے ہے کونین میں مجھ کو کام   وے مولا ہیں میرے، میں اُن کا غلام
درود اُن پہ اور اُن کی اولاد پہ   بہ دل بھیجتا ہوں میں تا سحر

بعد اِس حمد و نعت کے، مثنوی سحر البیان اسم بامُسمّیٰ ہے، کیونکہ اُس کا ہر شعر، اہلِ مذاق کے دلوں کے لُبھانے کو موہنی منتر ہے اور ہر داستان اُس کی، سحرِ سامری کا ایک دفتر۔ جو چیز کہ حقیقت میں خوب ہوتی ہے، وہی طبائع کی مقبول و مرغوب ہوتی ہے۔ راست ہے کہ انداز اُس کا سراپا اعجاز ہے

اور وہ ہر ایک صاحبِ طبیعت کی دم ساز۔ تعریف اُس کی جہاں تک کیجیے، بجا ہے کیونکہ فصاحت و بلاغت کا اُس میں ایک دریا بہا ہے۔ احیاناً اگر کسی شعر میں غلطی یا اُس کی بندش میں سستی پائی جائے، تو قابل نام دھرنے کے اور اعتراض کرنے کے نہیں۔ اس لیے کہ جہاں ہنر کی کثرت ہوتی ہے، وہاں عیب بہ قلت، شمار میں نہیں آتا اور تعرّض اُس کا منصف مزاجوں کو نہیں بھاتا۔ بقولِ شخصے: شعر
گر اعجاز باشد، بے بلند و پست نیست۔

صلے کا اُس کے ماجرا یہ ہے کہ نوّاب وزیر الممالک آصف الدولہ مرحوم نے ایک دوشالہ خاص اپنے اوڑھنے کا دست بقچے میں سے نکلوا کر مصنّف کو عنایت کیا۔ رتبہ تو اُس کا البتّہ بڑھا، پر، دل گھٹ گیا، اس لیے کہ مطلبِ دلی حاصل نہ ہوا۔ لیکن یہ کھوٹ صرف طالع کی ہے، کیونکہ مال کھرا، خریدار اتنا بڑا، اور سودا خاطر خواہ نہ ہوا بلکہ گھاٹا آیا۔

چند سطریں مصنّف کے حسب و نسب اور احوال میں:

مصنّف اِس کا میر حسن دہلوی متخلص بہ حسنؔ، خلف میر غلام حسین ضاحکؔ کا، وطنِ اجداد شہرِ ہرات، قومِ سادات، گردشِ فلکی سے اُنھوں نے شہرِ مذکور کو چھوڑا اور دلّی میں آ کر پُرانے شہر کا رہنا اختیار کیا، وہیں یہ بزرگ پیدا ہوا، بلکہ سنِ تمیز کو پہنچا۔ دادا اُس عالی قدر کا، سنتے ہیں کہ حاجی و فاضل تھا، لیکن باپ کو فضیلت نہ تھی، مگر طالب العلمی شرحِ ملّا تک پڑھا تھا، پر فارسی میں استعداد

اچھی تھی، بلکہ شعر بھی متین و رنگین گاہے گاہے اُس زبان میں کہتا تھا، چنانچہ یہ رباعی طبع زاد اُس کی راقم نے اُسی کی زبانی سُنی ہے :

فریاد دلا ! کہ غمگساراں رفتند   سیمین بدنان و گلعذاراں رفتند
چوں بوی گل آمدند بر باد سوار   در خاک چو قطرہ ہای باراں رفتند

قصیدہ بھی ایک آدھ اُس مغفور کا رتبہ دار دیکھا ہے، لیکن ہزل پر ازبس کہ مزاج مرغوب تھا، غزل کہنی ترک کی تھی۔ قیامت ہنسوڑ اور ٹھٹھول تھا، تخلّص اُس کا اِس پہ دال ہے۔ بظاہر نہایت ثقہ اور مُتشرّع۔ اکثر عمّامہ عربی سبز سر پہ بندھا رہتا تھا، اور جامہ کم گھیر اَمل پتّی کا گلے میں، ڈاڑھی متوسّط، لبیں لی ہوئیں، قد میانہ، گندم گوں۔ لیکن میر حسن ڈاڑھی منڈولتے تھے، پر جامہ نیمہ اُن کا بھی ویسا ہی تھا، اور پگڑی کی بندش قدیم ہندوستان زاؤں کی سی۔ قد لمبا تھا اور رنگ گندمی۔ ہرچند وضع تو ایسی تھی، پر شوخ مزاج و لطیفہ گو وے بھی تھے، نہ ہزّال و فحّاش۔ سوائے اِس کے، بُردباری اور ملنساری اُن کی خلقت میں تھی۔ کسی کو میں نے اُس عزیز سے شاکی نہیں پایا اور بیزار نہیں دیکھا۔ طبع اُس کی موزوں طفولیت سے تھی، شعر کی طرف رغبت رکھتا تھا، اکثر خواجہ میر درد کی صحبت سے مستفید شاہ جہاں آباد میں لڑکائی کے بیچ ہوا ہے۔

بعد برہم ہونے سلطنت کے، شہر مذکور سے مجبور اپنے والد کے ساتھ

صوبۂ اودھ میں آیا، سکونت فیض آباد میں اختیار کی، علاقہ روزگار کا نواب سالار جنگ بہادر مرحوم کی سرکار میں بہم پہنچایا، مصاحب مرزا نوازش علی خاں بہادر سردار جنگ (دام ثروتہٗ) کا ہوا۔ مرزائے موصوف بڑا بیٹا نوابِ مغفور کا ہے، خدا اُسے سلامت رکھے کہ اشعار سے اُسے رغبت اور شعرا سے محبت ہے۔ چنانچہ میرِ مذکور کو بھی اُس نے اپنا جلیس و انیس کیا تھا، اور وہ تھا بھی اُسی لائق۔ اگرچہ علمِ عربی مطلق اُسے نہ تھا، ہاں فارسیّت تھی، بلکہ جستہ جستہ شعر یا کوئی رباعی کبھو کہہ بھی لیتا تھا، لیکن عالمِ مجلس میں بے بدل اور شعرِ ہندی میں اکمل تھا۔ مشقِ سخن اُس نے اُسی ملک میں میر ضیاء الدین ضیاؔ تخلص سے (کہ ہم مشق مرزا رفیع السوداؔ اور میر تقی کے تھے) کی تھی۔ سوائے اُن کے مرزا مرحوم سے بھی اُن کی غیبت میں اکثر اوقات اصلاح لی تھی، چنانچہ اِس کو اقرار راقم کے سامنے کیا ہے۔ غرض میرِ مرحوم، صاحبِ دیوان ہے۔ غزل، رباعی مثنوی، مرثیے میں سلیقہ نہایت خوب رکھتا تھا، بلکہ سوائے قصیدے کے ہر قسم کی نظم پر قادر تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ادا بندی کا حق اُن نے خوب ادا کیا، اور انداز کا شعر کس خوبی سے کہا۔ خدایش بیامرزد۔

راقم کو اُس سے دوستیِ دلی تھی، کبھو خفگی و رنجش باہم نہیں ہوئی، حالانکہ اُسی سرکار میں میں بھی نوکر اور اُسی صاحب زادے کا ہم نشیں تھا۔ دس برس تک دن رات ایک جگہ رہے، بلکہ اکثر آپس میں غزلیں طرح ہوئیں اور صحبتیں شعر کی رہیں، لیکن نہ بطورِ استفادے کے، جیسا کہ نواب علی ابراہیم خانِ مغفور نے

بے تحقیق اپنے تذکرے میں لکھّا ہے، صاف اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں نے مشورہ سخن کا اُس مرحوم سے بھی کیا ہے۔ اگر یہ بات حقیقت میں ہوتی، تو کچھ عیب نہ تھا ہرگاہ حقیر، میر حیدر علی حیراںؔ کی شاگردی کا مُقر ہے، باوجود اِس کے کہ شاعری اُن کی میر حسنؔ سے زیادہ نہ تھی، پھر کس لیے اِس بات کا انکار کرتا۔ قاعدہ یہی ہے کہ ایک سے سیکھتے ہیں اور دوسرے کو سکھاتے ہیں، لیکن جھوٹی بات پر اقرار نہیں کیا جاتا اور سچّی سے انکار نہیں ہو سکتا۔ آخر چرخِ تفرقہ پرداز نے باہم تفرقہ ڈالا۔ اتّفاقاً میرا روزگار سنہ گیارہ سے ننّانوے میں صاحبِ عالم مرزا جواں بخت کی سرکار میں ہوا۔ میں اُن کے ہمراہ بنارس میں آیا۔ بعد اُس کے اُس بزرگ کو آخرِ ذی حج سنہ بارہ سے ہجری میں مرض الموت لاحق ہوا۔ ندان غُرّۂ محرم کو، کہ سنہ بارہ سو ایک شروع ہو چکے تھے، اس دارِ فانی سے اُس نے سرائے جاودانی کو کوچ کیا، اور شہرِ لکھنؤ میں، مفتی گنج کے بیچ، مرزا قاسم علی خاں بہادر دام ظلّہ کے باغ کے پیچھے مدفون ہوا۔ خدائے کریم اُس کو یہاں دار السلام عطا کرے اور وہاں قصرِ جنّت بخشے۔

عدم سے مسافر جو آیا ہے یہاں
مقرر وہ جاوے گا اک روز وہاں
رہے جگ میں ہر چند وہ ہر کہیں
پر اس کا ٹھکانا ہے زیرِ زمیں
نہ غفلت میں اپنی تو اوقات کھو
ارے بے خبر! جاگتے میں نہ سو
جہاں میں تو مہمان ہے چند روز
ترے جسم میں جان ہے چند روز

یہ مہلت غنیمت ہے، کر لے وہ کام   کہ جس سے رہے تا ابد نیک نام

فی الواقع نیک نامی بھی عجب چیز ہے، انسان کا نام اُسی سے دنیا میں رہتا ہے، یا کلام و اولاد سے؛ سو وہ خوش نصیب یے دونوں اُس سمیت چھوڑ گیا۔ چار بیٹے فضلِ الٰہی سے اُس کے اب تک موجود ہیں۔ تین شاعر ہوئے، بود و باش اُنھوں نے فیض آباد میں اختیار کی، معاش نوکری پر ہے۔ چنانچہ میر مستحسن خلیقؔ تخلّص اور میر محسن محسنؔ تخلّص، مرزا تقی، بہو بیگم صاحب مادرِ آصف الدّولہ مدّ ظلّہا کے داماد کے رفیق ہیں۔ اور میر احسن خُلقؔ تخلّص، داراب علی خاں ناظر کے ساتھ ہے۔ یہ اور خلیقؔ، دونوں صاحبِ دیوان ہیں۔ شعر اپنے باپ کے ہی انداز پر کہتے ہیں، لیکن خلیقؔ کا سر رشتہ اصلاح کا میاں مصحفیؔ سلّمہ اللہ سے تعلّق رکھتا ہے۔ خدا اُسے اور اُنھیں سلامت رکھے۔

یے چند فقرے بہ طورِ دیباچہ، زبدۂ نوئینانِ عالی شان، مشیرِ خاصِ شاہِ کیواں بارگاہِ انگلستان، مارکویس ولزلی لارڈ گورنر بہادر دام اقبالہٗ کے عہد میں کہ بارہ سے اٹھارہ ہجری مطابق سنہ اٹھارہ سے تین عیسوی کے ہیں، حسب الارشاد صاحبِ والا مناقب جان گل کرسٹ بہادر مدرّسِ ہندی دام دولتہٗ کے، اِس عاصی نے لکھے اور اُن کو اِس مثنوی کا ضمیمہ کیا۔

بسمِ اللہ الرحمٰنِ الرحیم

کروں پہلے توحیدِ یزداں رقم   جھکا جس کے سجدے کو اوّل قلم
سرِ لوح پر رکھ بیاضِ جبیں   کہا : دوسرا کوئی تجھ سا نہیں
قلم، پھر شہادت کی اُنگلی اُٹھا   ہوا حرف زن یوں کہ ربُّ العُلا!
نہیں کوئی تیرا، نہ ہوگا شریک   تری ذات ہے وحدَہٗ لاشریک
پرستش کے قابل ہے تو اے کریم   کہ ہے ذات تیری غفورُ الرّحیم
رہِ حمد میں تیری، عزَّ وَ جَلّ   تجھے سجدہ کرتا چلوں سر کے بل
وہ، اَلحقّ، کہ ایسا ہی معبود ہے   قلم جو لکھے، اُس سے افزود ہے
سبھوں کا وہی دین و ایمان ہے   لیے دل ہیں تمام، اور وہی جان ہے
تر و تازہ ہے اُس سے گلزارِ خلق   وہ ابرِ کرم، ہے ہوا دارِ خلق
اگرچہ وہ بے فکر و غیّور ہے   ولے، پرورش سب کی منظور ہے
کسی سے بر آوے نہ کچھ کامِ جاں   جو وہ مہرباں ہو، تو کُل مہرباں
اگرچہ یہاں کیا ہے اور کیا نہیں   پر، اُس بن تو، کوئی کسی کا نہیں
مُوئے پر، نہیں اُس سے رفت و گذشت   اُسی کی طرف سب کی ہے بازگشت
رہا کون، اور کس کی بابت رہی!   مُوئے اور جیتے، وُہی ہے وُہی

نہاں سب میں، اور سب میں ہے آشکار
یے سب اُس کے عالم ہیں ہر ذرّہ ہزار
ذرے سب ہیں اُس سے، وہی سب سے پیش
ہمیشہ سے ہے، اور رہے گا ہمیش
چمن میں ہے وحدت کے یکتا وہ گُل
کہ مُشتاق ہیں اُس کے سب جُزْو و کُل
اُسی سے ہے کعبہ، اُسی سے کُنِشت
اُسی کا ہے دوزخ، اُسی کی بہشت
جسے چاہے، جنّت میں دیوے مَقام
جسے چاہے، دوزخ میں رکھّے مُدام
وہ ہے مالِکُ المُلکِ دُنیا و دیں
ہے قبضے میں اُس کے زمان و زمیں
سَدا بے نمودوں کی اُس سے نمود
دلِ بَستگاں کی ہے اُس سے کُشود
اُسی کی نظر سے ہے ہم سب کی دید
اُسی کے سخن پر ہے سب کی شَنید
وہی نُور ہے سب طرف جلوہ گر
اُسی کے لیے ذرّے ہیں شمس و قمر
نہیں اُس سے خالی غرض کوئی شَے
وہ کچھ شَے نہیں، پر ہر اک شَے میں ہے
نہ گوہر میں ہے وہ، نہ ہے سنگ میں
ولیکن چمکتا ہے ہر رنگ میں
وہ ظاہر میں ہر چند ظاہر نہیں
پہ، ظاہر کوئی، اُس سے باہر نہیں
تَاَمُّل سے کیجے اگر غَور کچھ
تو سب کچھ وہی ہے، نہیں اور کچھ
اُسی گُل کی بُو سے، ہے خوشبو گُلاب
پھرے ہے لیے ساتھ دریا، حُباب
پر، اِس جوش میں آکے، بہنا نہیں
سمجھنے کی ہے بات، کہنا نہیں
قلم، گو زَباں لاوے اپنی ہزار
لکھے کس طرح حمدِ پَروَردگار
کہ عاجز ہے یہاں اَنبیا کی زَباں
زبانِ قلم کو یہ قُدرت کہاں!

اِس عہد سے کوئی بھی نکلا کہیں
سوا عجز، درپیش یہاں کچھ نہیں
وہ معبودِ یکتا، خدائے جہاں
کہ جس نے کیا، کُن میں، کَون و مکاں
دیا عقل و اِدراک اُس نے ہمیں
کیا خاک سے پاک اُس نے ہمیں
پیمبر کو بھیجا ہمارے لیے
وَصی اور امام اُس نے پیدا کیے
جہاں کو اُنھوں نے دیا اِنتظام
بُرائی بھلائی سُجھائی تمام
دِکھائی اُنھوں نے ہمیں راہِ راست
کہ تا ہو نہ اُس راہ کی بازخواست
سو وہ کون سی راہ؛ شرعِ نبی
کہ رستے کو جنّت کے سیدھی گئی

نعت حضرت رِسالت پناہ کی:

نبی کون؟ یعنی، رَسولِ کریم
نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم
ہوا گو کہ ظاہر میں اُمّی لَقب
پہ، علمِ لَدُنّی کھُلا دل پہ سب
بغیر از لکھے، اور کیے بے رقم
چلے حکم پر اُس کے لَوح و قلم
ہوا علمِ دیں اُس کا جو آشکار
گُذَشتہ ہوئے حکم، تَقویمِ پار
اُٹھا کُفر، اِسلام ظاہر کیا
بُتوں کو خُدائی سے باہر کیا
کیا حق نے نبیوں کا سردار اُسے
بنایا نبوت کا حق دار اُسے
نبوت جو کی اُس پہ حق نے تمام
لکھا اَشرَفُ النّاس، خَیرُ الانام
بنایا سمجھ بوجھ کر خوب اُسے
خُدا نے کیا اپنا محبوب اُسے

کروں اُس کے رُتبے کا کیا میں بیاں کھڑے ہوں جہاں باندھ صف مُرسلاں
مسیح، اُس کی خرگاہ کا پارہ دوز تجلّیِ طور، اُس کی مشعل فروز
خلیل، اُس کے گُلزار کا باغباں سُلیماں سے کئی مُہر دار اُس کے یہاں
خضر، اُس کی سرکار کا آبدار زرہ ساز، داؤد سے دس ہزار
محمّد کے مانند جگ میں نہیں ہوا ہے نہ ایسا، نہ ہوگا کہیں
یہ تھی رمز، جو اُس کے سایا نہ تھا کہ رنگِ دوئی وہاں تک آیا نہ تھا
نہ ہونے کا سایے کے، تھا یہ سبب ہوا صَرف پوشش میں کعبے کی سب
وہ قد اِس لیے تھا نہ سایہ فگن کہ تھا کُل وہ اک معجزے کا بدن
بنا سایہ اس کا لطیف اِس قدر نہ آیا لطافت کے باعث نظر
عجب کیا جو اُس گُل کا سایہ نہ ہو کہ تھا وہ، گُلِ قدرتِ حق کی بُو
خوش آیا نہ سایے کو ہونا جُدا اُسی نورِ حق کے رہا زیرِ پا
نہ ڈالی کسی شخص پر اپنی چھانو کسی کا نہ مُنہ دیکھا، دیکھ اُس کے پانو
وہ ہوتا زمیں گیر کیا فرش پر قدم اُس کے سایے کا تھا عرش پر
نہ ہونے کی سایے کے اک وجہ اور مجھے خوب سوجھی، یہ ہے شرط غور
جہاں تک کہ تھے یہاں کے اہلِ نظر سمجھ مایۂ نور، کحلُ البصر
سبھوں نے لیا پُتلیوں پر اُٹھا زمیں پر نہ سایے کو گرنے دیا
سیاہی کا پُتلی کی، ہے یہ سبب وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب

وگرنہ یہ تھی چشم اپنی کہاں   اُسی سے یہ روشن ہے سارا جہاں
نظر سے جو غائب وہ سایا رہا   ملائک کے دل میں سمایا رہا
نہیں ہمسر اُس کا کوئی جُز علی   کہ بھائی کا بھائی، وصی کا وصی
ہوئی جو نبوت نبی پر تمام   ہوئی نعمت اُس کے وصی پر تمام
جہاں، فیض سے اُن کے ہے کامیاب   نبی، آفتاب و علی، ماہتاب

منقبت حضرت امیر المومنین کی:

علی دین و دُنیا کا سردار ہے   کہ مختار کے گھر کا مختار ہے
دیارِ امامت کے گلشن کا گُل   بہارِ ولایت کا باغِ سُنبل
علی، راز دارِ خدا و نبی   خبر دارِ سرِّ خفیّ و جلی
علی، بندۂ خاصِ درگاہِ حق   علی، سالک و رہ روِ راہِ حق
علیِّ ولی، ابنِ عمِّ رسول   لقب: شاہِ مردان و زوجِ بتول
کہے یوں جو چاہے کوئی بیر سے   یہ، نسبت علی کو نہیں غیر سے
خدا، نفسِ پیغمبرش خواندہ است   دگر افضلیت بہ کس ماندہ است؟
یہاں بات کی بھی سمائی نہیں   نبیّ و علی میں جُدائی نہیں

یہ شعر نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں موجود نہیں۔

نبی و علی، ہر دو نسبت بہم   دو تا دیکھے جوں زبانِ قلم
علی کا عدو: دوزخی، دوزخی   علی کا مُحِب: جنّتی، جنّتی
نبی اور علی، فاطمہ اور حَسَن   حُسین ابنِ حیدر؛ ییے ہیں پنج تن
ہوئی اُن پہ دو جَگ کی خوبی تمام   اُنھوں پہ دُرود اور اُنھوں پہ سلام
علی سے لگا تا بہ مہدیِ دیں   ییے ہیں ایک نورِ خُدائے بریں
اِنھیں سے ہے قائم اِمامت کا گھر   کہ بارہ سُتوں ہیں ییے اِثنا عَشَر
صغیرہ، کبیرہ سے ییے پاک ہیں   حسابِ عمل سے ییے بے باک ہیں
ہوا یہاں سے ظاہر کمالِ رسول   کہ بہتر ہوئی سب سے آلِ رسول

تعریفِ اَصحابِ پاک رضوانُ اللہِ عَلَیہِم

سلام اُن پہ جو اِن کے اَصحاب ہیں   وو اَصحاب کیسے کہ اَحباب ہیں
خدا نے اُنھوں کو کہا مومنین   وو ہیں زینتِ آسمان و زمین
خدا اُن سے راضی، رسول اُن سے خوش   علی اُن سے راضی، بتول اُن سے خوش

ہوئی فرض اُن کی ہمیں دوستی
کہ ہیں دل سے وو جاں نثارِ نبی

مناجات

الٰہی! بہ حقِّ رسولِ اَمیں
بہ حقِّ علیؑ و بہ اَصحابِ دیں
بہ حقِّ بتول و بہ آلِ رسول
کروں عرض جو میں، سو ہووے قبول
اِلٰہی! میں بندہ گنہ گار ہوں
گناہوں میں اپنے گراں بار ہوں
مجھے بخشیو، میرے پروردگار
کہ ہے تو کریم اور آمرزگار
مری عرض یہ ہے کہ جب تک جیوں
شرابِ محبّت کو تیری پیوں
سوا تیری اُلفت کے، اور سب ہے ہیچ
یہی ہو، نہ ہو اور کچھ اِیچ پیچ
جو غم ہو، تو ہو آلِ احمد کا غم
سوا اِس اَلم کے، نہ ہو کچھ اَلم
رہے سب طرف سے مرے دل کو چین
بہ حقِّ حسن، اور بہ حقِّ حُسین
کسی سے نہ کرنی پڑے اِلتجا
تو کر خود بہ خود میری حاجت رَوا
صحیح اور سالم سدا مجھ کو رکھ
خوشی سے ہمیشہ، خدا! مجھ کو رکھ
مری آل اَولاد کو شاد رکھ
مرے دوستوں کو تو آباد رکھ
میں کھاتا ہوں جس کا نمک، اے کریم!
سدا رحم کر اُس پہ تو اے رحیم!
جیوں آبرو اور حُرمت کے ساتھ
رہوں میں عزیزوں میں عزت کے ساتھ

بر آویں مرے دین و دنیا کے کام
بہ حقِّ مُحمّد، عَلَیہِ السّلام

تعریف سخن کی:

پلا مجھ کو، ساقی! شرابِ سخن
کہ مفتوح ہو جس سے بابِ سخن
سخن کی مجھے فکر دن رات ہے
سخن ہی تو ہے، اور کیا بات ہے
سخن کے طلب گار ہیں عقل مند
سخن سے ہے نامِ نکویاں بلند
سخن کی کریں قدر مردانِ کار
سخن، نام اُن کا رکھے برقرار
سخن سے وہی شخص رکھتے ہیں کام
جنھیں چاہیے ساتھ نیکی کے نام
سخن سے سلف کی بھلائی رہی
زبانِ قلم سے بڑائی رہی
کہاں رستم و گیو و آفراسیاب
سخن سے رہی یاد یہ نقلِ خواب
سخن کا صلہ یار دیتے رہے
جواہر سدا مول لیتے رہے
سخن کا سدا گرم بازار ہے
سخن سنج اُس کا خریدار ہے
رہے جب تلک داستانِ سخن
اِلٰہی! رہیں قدر دانِ سخن

مدح شاہ عالم بادشاہ کی:

خدیوِ فلک، شاہِ عالی گہر
زمیں بوس ہوں جس کے شمس و قمر
جہاں، اُس کے پرتو سے ہے کام یاب
وہ ہے برجِ اِقلیم میں آفتاب
اُسی مہر سے ہے منوّر یہ ماہ
جہاں ہوئے اور ہو جہاں دار شاہ

وہ مہرِ منوّر، یہ ماہِ منیر　　اور اُس کا یہ نجمِ سعادت، وزیر

مدح وزیر آصف الدّولہ کی:

فلک رُتبہ، نوابِ عالی جناب　　کہ ہے آصف الدّولہ جس کا خطاب
وزیرِ جہاں، حاکمِ عدل و داد　　ہے آبادیِ مُلک جس کی مُراد
جہاں، عدل سے اُس کے آباد ہے　　غریبوں، فقیروں کا دل شاد ہے
پھرے بھاگتا مُور سے فیلِ مست　　زبردست، ظالم پہ ہے زیردست
کتاں پر کرے مہ اگر بد نظر　　تو آدھا اِدھر ہووے، آدھا اُدھر
کسی کا اگر مُفت لے زُلف، دل　　تو کھایا کرے پیچ وہ مُتّصل
وہ اِنصاف سے جو گزرتا نہیں　　کسی پر کوئی شخص مرتا نہیں
تو ہو باگ بکری میں کچھ گفت و گو　　اگر اُس کا چیتا نہ ہووے کبھو
گر آواز سن عید کی، کچھ کہے　　تو باز آئے چیتک، کہ بہری رہے
پھرے شمع کے گرد، گر آکے چور　　صبا کھینچ لے جاوے اُس کو بہ زور
نہ لے جب تلک شمع پروانگی　　پتنگے کے پر کو نہ چھیڑے کبھی
اگر آپ سے اُس پہ وہ آگرے　　تو فانوس میں شمع چھپتی پھرے
گر آجیا تا اُس کے جلیں بال و پر　　تو گُلگیر، لے شمع کا کاٹ سر
اُسے عدل کی جو طرح یاد ہے　　کسے یاد ہے، یہ خُدا داد ہے

ستم اُس کے ہاتھوں سے رویا کرے   سدا فتنۂ دہر سویا کرے
گھروں میں فَراغت سے سوتے ہیں سب   پڑے گھر میں چور اپنے روتے ہیں سب
وہ ہے باعثِ اَمنِ خُرد و کلاں   کہ ہے نام سے اُس کے مُشتق اماں
بیانِ سخاوت کروں گر رقم   تو دُر ریز کاغذ پہ ہووے قلم
نظر سے توجُّہ کی دیکھا جدھر   دیا مثلِ نرگس اُسے سیم و زر
سخاوت یہ ادنا سی ایک اُس کی ہے   کہ اک دن دوشالے دیے سات سے
سوا اُس کے، ہے اور یہ داستاں   کہ ہو جس پہ قُربان حاتم کی جاں
ہوئی کم جو اک بار کچھ بَرشُکال   گرانی سی ہونے لگی ایک سال
غریبوں کا دم سا نکلنے لگا   توکُّل کا بھی پانو چلنے لگا
وزیرُ المَمالِک نے تدبیر کر   خُدا کی دیا راہ پر مال و زَر
مَحلّے مَحلّے کیا حُکم یہ   کہ باڑے کی اِس غم کے کھولیں گرِہ
یہ چاہا کہ خلقت کسی ڈھب جیے   ٹکے لاکھ لاکھ، ایک دن میں دیے
یہ لغزِش پڑی مُلک میں جو تمام   لیا ہاتھ نے اُس کے گرتوں کو تھام
یہ[۱] بندہ نَوازی، یہ جاں پروری   یہ آئینِ سرداری و سَروَری
ہوئی[۲] ذات پر اُس سخی کی تمام   تکلّف ہے آگے سخاوت کا نام
فقیروں کی بھی یہاں تلک تو بنی   کہ یک یک یہاں ہو گیا ہے غَنی

[۱-۲] یہ اشعار نسخۂ فورٹ ولیم میں موجود نہیں۔

یہ کیا دخل آواز دے جو گدا   چٹکنے کی گُل کے نہ ہووے صدا
قدح لے کے نرگس جو ہووے کھڑی   تو خجلت سے جاوے زمیں میں گڑی
نہ ہو اُس کا شامل جو ابرِ کرم   اثر ابرِ نیساں سے ہووے عدم
ہر اک کام اُس کا جہاں کی مُراد   فلاطوں طبیعت، ارسطو نژاد
جب ایسا وہ پیدا ہوا ہے بشر   تب اُس کو دیا ہے یہ کچھ مال و زر
لکھوں گر شجاعت کا اُس کی بیاں   قلم ہو مرا رُستمِ داستاں
غضب سے وہ ہاتھ اپنا جس پر اُٹھائے   اَجل کا تماچا قسم اُس کی کھائے
کرے جس جگہ زور اُس کا نمود   دلِ آہن اُس جا پہ ہووے کبود
چلے تیغ گر اُس کی روزِ مصاف   نظر آوے دشمن کا میدان صاف
اگر بے حیائی سے کوئی عدو   ملا دیوے اُس تیغ سے مُنہ کبھو
تو ایسے ہی کھا کر گرے سر کے بل   کہ سر پر کھڑی اُس کے رووے اجل
نہ ہو کیونکے وہ تیغ برقِ غضب   کہ بُرّش کی تشدید، جوہر ہیں سب
لگاوے اگر کوہ پر ایک وار   گزر جائے یوں جیسے صابن میں تار
ہوئی ہم قسم اُس سے تیغِ اَجل   نکل آئے یہ گر، پڑے وہ اُگل
غضب سے غضب اُس کے کانپا کرے   تہوّر بھی ہیبت سے اُس کی ڈرے
اور اُس زور پر ہے یہ حلم و حیا   کہ ہے خلق کا جیسے دریا بہا
جہاں تک کہ ہیں علم و کسب و کمال   ہر اک فن میں ماہر ہے وہ خوش خصال

سخن داں، سخن سنج، شیریں بیاں
وزیرِ جہان و وحیدِ زماں
سخن کی نہیں اُس سے پوشیدہ بات
غوامض ہیں سب سہل اُس کے نکات
سلیقہ ہر اک فن میں، ہر بات میں
نکلتی نئی بات دن رات میں
سدا سیر پر اور تماشے پہ دل
کُشادہ دلی اور خوشی مُتّصِل
نہ ہو اُس کو کیونکر ہَوائے شکار
تہوّر شعاروں کا ہے یہ شعار
دلیروں کے تئیں ہے دلیروں سے کام
کہ رہتا ہے شیروں کو شیروں سے کام
شہاں را ضرور است مشقِ شکار
کہ آید پئے صیدِ دلہا بکار
کُھلے بند جتنے ہیں صحرا میں صَید
ہیں نوّاب کے دامِ اُلفت میں قید
زمہرش دلِ آہواں سوختہ
بفتراکِ او چشمہا دوختہ
شجاعت کا ہمت کا یہ کام ہے
دِرم ہاتھ میں ہے کہ یا دام ہے
نہ ہوتا اگر اُس کو عزمِ شکار
دَرِندوں سے بچتا نہ شہر و دیار
نہ بچتے جہاں بیچ خُرد و بزرگ
یہ ہو جاتے سب لقمۂ شیر و گُرگ
یہ انسان پر اُس کا اِحسان ہے
کہ بے خوف انسان کی جان ہے
بنائی جہاں اُس نے نَخچیر گاہ
رہے صَید وہاں آ کے شام و پگاہ
رکھا صَید بحری پہ جس دم خَیال
لیا پُشت پر اپنی ماہی نے جال
مگر اپنا دیتے ہیں جی جان کر
کہ ٹاپو پہ گرتے ہیں آن آن کر
نہ بھو نکلتے ہیں دریا میں سوس
خوشی سے اچھلتے ہیں دریا میں سوس

چرندوں کا دل اُس طرف ہے لگا   پرندوں کو رہتی ہے اُس کی ہوا
پلنگوں کا ہے بلکہ چیتا یہی   کمر آ بندھاوے ہماری وہی
کھڑے اَرنے ہوتے ہیں سر جوڑ جوڑ   کہ جی کون دیتا ہے بدبد کے ہوڑ
خبر اُس کی سُن کر نہ گینڈا اپ چلے   کہ ہاتھی بھی ہو مست اینڈا چلے
جو کچھ دل میں گینڈے کے آوے خیال   تو بھاگے اُس آگے سپر اپنی ڈال
اِطاعت کے حلقے سے بھاگے جو فیل   پلک اُس کی آنکھوں میں ہو تفتہ میل
سو وہ تو اِطاعت میں یک دست ہیں   نشے میں مَحبت کے سب مست ہیں
اُسی کے لیے گو کہ ہیں وے پہاڑ   قدم اپنے رکھتے ہیں سب گاڑ گاڑ
کہ شاید مُشرّف سواری سے ہوں   سرافراز چل کر عماری سے ہوں
چلن جب یہ کچھ ہوویں حیوان کے   تو پھر حق بہ جانب ہے انسان کے
کسے ہو نہ صحبت کی اُس کی ہوس   ملے کیا کرے جو نہ ہو دسترس
فلک بارگاہا، مَلَک درگہا   جدا میں جو قدموں سے تیرے رہا
نہ کچھ عقل نے اور تدبیر نے   رکھا مجھ کو محروم تقدیر نے
پر اب عقل نے میرے کھولے ہیں گوش   دیا ہے مدد سے تری مجھ کو ہوش
سو میں اک کہانی بنا کر نئی   دُرِ فکر سے گوندھ لڑیاں کئی
لے آیا ہوں خدمت میں بہرِ نیاز   یہ اُمید ہے پھر کہ ہوں سرفراز
مرے عُذرِ تقصیر ہوویں قبول   بہ حقِّ علیؑ و بہ آلِ رسول

رہے جاہ و حشمت یہ تیری مُدام — بہ حقِ محمد علیہِ السلام
رہیں شاد و آباد سب خیر خواہ — بِکھریں اِس گھرانے کے دشمن تباہ
اب آگے کہانی کی ہے داستاں — ذرا سُنیو دل دے کے اُس کا بیاں

آغازِ داستاں

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ — کہ تھا وہ شہنشاہِ گیتی پناہ
بہت حشمت و جاہ و مال و مَنال — بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال
کئی بادشاہ اُس کو دیتے تھے باج — خطا اور ختن سے وہ لیتا خراج
کوئی دیکھتا آکے جب اُس کی فوج — تو کہتا کہ ہے بحرِ ہستی کی موج
طویلے کے اُس کے جو ادنا تھے خر — اُنھیں نعل بندی میں ملتا تھا زر
جہاں تک کہ سرکش تھے اطراف کے — وہ اُس شہ کے رہتے تھے قدموں لگے
رعیت تھی آسودہ و بے خطر — نہ غم مُفلسی کا، نہ چوری کا ڈر
عجب شہر تھا اُس کا مینو سواد — کہ قُدرت خدائی کی آتی تھی یاد
لگے تھے ہر اک جا پہ وہاں سنگ و خشت — ہر اک کوچہ اُس کا تھا رشکِ بہشت
زمیں سبز و سیراب عالم تمام — نظر کو طراوت وہاں صبح و شام
کہیں چاہ و منبع، کہیں حوض و نہر — ہر اک جا پہ آبِ لطافت کی لہر
عمارت تھی گچ کی وہاں بیشتر — کہ گزرے صفائی سے جس پر نظر

کروں اُس کی وُسعت کا کیا میں بیاں
کہ جوں اِصفہاں تھا وہ نصفِ جہاں
ہُنر مند وہاں اہلِ حرفہ تمام
ہر اک نوع کی خلق کا اِزدِحام
جہاں تک کہ رستے تھے بازار کے
کہے تو کہ تختے تھے گُلزار کے
یہ دل چسپ بازار تھا چوک کا
کہ ٹھہرے جہاں، بس وہیں دل لگا
وہ پُختہ دُکانوں کی دیوار و در
سفیدی پہ جس کی نہ ٹھہرے نظر
صَفا پر جو اُس کی نظر کر گئے
اُسے دیکھ کر سنگ، مَرمَر گئے
کہوں قلعے کی اُس کے کیا میں شکوہ
گئے دب بلندی کو دیکھ اُس کی، کوہ
وہ دَولت سَرا، خانۂ نُور تھا
سدا عیش و عشرت سے معمور تھا
ہمیشہ خوشی، رات دن سَیرِ باغ
نہ دیکھا کسی دل پہ جُز لالہ داغ
سدا عَیش و عشرت، سدا راگ و رنگ
نہ تھا زیست سے اپنی کوئی بہ تنگ
غَنی وہاں ہوا جو کہ آیا تباہ
عجب شہر تھا وہ، عجب بادشاہ
نہ دیکھا کسی نے کوئی وہاں فقیر
ہوئے اُس کی دولت سے گھر گھر امیر
کہاں تک کہوں اُس کا جاہ و حَشَم
مَحَلّ و مکاں اُس کا رشکِ اِرَم
سدا ماہ رویوں سے صُحبت اُسے
سدا جامہ زیبوں سے رغبت اُسے
ہزاروں پری پَیکر اُس کے غُلام
کمر بستہ خدمت میں حاضر مُدام
کسی طَرف سے وہ نہ رکھتا تھا غم
مگر ایک اَولاد کا تھا اَلم
اِسی بات کا اُس کے تھا دل پہ داغ
نہ رکھتا تھا وہ اپنے گھر کا چراغ

دِنوں کا عجب اُس کے یہ پھیر تھا   کہ اُس روشنی پر یہ اندھیر تھا
وزیروں کو اِک روز اُس نے بُلا   جو کچھ دل کا احوال تھا، سو کہا
کہ میں، کیا کروں گا یہ مال و منال   فقیری کا ہے میرے دل کو خیال
فقیر اب نہ ہوں تو کروں کیا علاج   نہ پیدا ہوا وارثِ تخت و تاج
جوانی مری ہو گئی سب بسر   نمودار پیری ہوئی سر بسر
دِریغا! کہ عہدِ جوانی گُذشت   جوانی مگو، زِندگانی گُذشت
بہت مُلک پر جان کھویا کیا   بہت فکرِ دُنیا میں رُویا کیا
زہے بے تمیزی و بے حاصلی   کہ از فکرِ دُنیا زدیں غافلی
وزیروں نے کی عرض کہ کلاے آفتاب!   نہ ہو تجھ کو ذرّہ کبھی اِضطراب
فقیری جو کیجے، تو دُنیا کے ساتھ   نہیں خوب، جانا اُدھر خالی ہاتھ
کرو سلطنت لے کے اعمالِ نیک   کہ تا دو جہاں میں رہے حالِ نیک
جو عاقل ہوں، وے سوچ میں گُم رہیں   کہ ایسا نہ ہووے کہ پھر سب کہیں:
"تو کارِ زمیں را نکو ساختی   کہ بر آسمان نیز پرداختی"
یہ دُنیا جو ہے مزرعِ آخرت   فقیری میں ضائع کرو اِس کو مت
عبادت سے اِس کِشت کو آب دو   وہاں جا کے خرمن ہی تیار لو
رکھو یاد عدل و سخاوت کی بات   کہ اِس فیض سے ہے تمھاری نجات
مگر ہاں، یہ اولاد کا ہے جو غم   سو اِس کا تردّد بھی کرتے ہیں ہم

عجب کیا کہ ہووے تمہارے خَلَف کرو تم نہ اَوقات اپنی تَلَف
نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو کہ قُرآں میں آیا ہے لاتَقْنَطو
بُلاتے ہیں ہم اہلِ تَنْجِیم کو نصیبوں کو اپنے ذرا دیکھ لو
تسلّی تو دی شاہ کو اِس نَمَط ولے اہلِ تَنْجِیم کو بھیجے خط
نُجومیؔ و رَمّال اور برہمن غرض یاد تھا جن کو اِس ڈھب کا فن
بُلا کر اُنھیں شہ کنے لے گئے جو نہیں رو بہ رو شہ کے سب وے گئے
پڑا جب نظر وہ شہِ تاج و تخت دُعا دی کہ ہوں شہ کے بیدار بخت
کیا قاعدے سے نِہُڑ کر سلام کہا شہ نے: میں تم سے رکھتا ہوں کام
نکالو ذرا اپنی اپنی کتاب مرا ہے سوال، اُس کا لکھو جواب
نصیبوں میں دیکھو تو میرے کہیں کسی سے بھی اولاد ہے یا نہیں
یہ سُن کر، وے رَمّالِ طالع شناس لگے کھینچنے زائچے بے قیاس
دھرے تختے آگے، لیا قُرعہ ہاتھ لگا دھیان اَولاد کا اُس کے ساتھ
جو پھینکیں، تو شکلیں کئی بیٹھیں مل کئی شکل سے دل گیا اُن کا کھل
جماعت نے رَمّال کی عرض کی کہ ہے گھر میں اُمّید کے کچھ خوشی
یہ سُن ہم سے اے عالموں کے شفیق بہت ہم نے تکرار کی ہر طریق
بَیاض اپنی دیکھی جو اِس رَمل کی تو ایک ایک نُقطہ ہے فردِ خوشی
ہے اِس بات پر اجتماعِ تمام کہ طالع میں فرزند ہے تیرے نام

زن و زوج کے گھر میں ہے گی فرح
پیا کر مئے وصل کا تو قدح
نجومی بھی کہنے لگے در جواب
کہ ہم نے بھی دیکھی ہے اپنی کتاب
نحوست کے دن سب گئے ہیں نکل
عمل اپنا سب کر چکا ہے زحل
ستارے نے طالع کے بدلے ہیں طور
خوشی کا کوئی دن میں آتا ہے دور
نظر کی جو تسدیس و تثلیث پر
تو دیکھا کہ ہے نیک سب کی نظر
کیا پنڈتوں نے جو اپنا بچار
تو کچھ انگلیوں پر کیا پھر شمار
جنم پترا شاہ کا دیکھ کر
تلا اور برچھک یہ کر کر نظر
کہا، رام جی کی ہے تم پر دیا
چندرما سا بالک ترے ہووے گا
مہاراج کے ہوں گے مقصد شتاب
کہ آیا ہے اب پانچواں آفتاب
نکلتے ہیں اب تو خوشی کے بچن
نہ ہو گر خوشی، تو نہ ہوں برہمن
نصیبوں نے کی آپ کے یاوری
کہ آئی ہے اب ساتویں مشتری
مقرر ترے چاہیے ہو پسر
کہ دیتی ہے یوں اپنی پوتھی خبر
ولیکن مقدر ہے کچھ اور بھی
کہ ہیں اس بھلے میں برے طور بھی
یہ لڑکا تو ہوگا، ولے کیا کہیں
خطر ہے اسے بارھویں برس میں
نہ آوے یہ خورشید بالائے بام
بلندی سے خطرہ ہے اس کو تمام
نہ نکلے یہ بارہ برس رشکِ مہ
ہے برج میں یہ مہ چاردہ
کہا شہ نے، یہ سن کے ان کے تئیں
کہو، جی کا خطرہ تو اس کو نہیں؟

کہا: جان کی سب طرح خیر ہے
مگر دشتِ غُربت کی کچھ سیر ہے
کوئی اُس پہ عاشق ہو جنّ و پری
کوئی اُس کی معشوق ہو اِستری
کچھ ایسا نکلتا ہے پُوتھی میں اب
خرابی ہو اُس پر کسی کے سبب
ہوئی کچھ خوشی شہ کو اور کچھ الم
کہ دُنیا میں توَام ہیں شادی و غم
کہا شہ نے: اِس پر نہیں اِعتبار
جو چاہے کرے میرا پروردگار
یہ فرما، محل میں در آمد ہوئے
مُنجّم وہاں سے برآمد ہوئے
خدا پر زبس اُس کو تھا اِعتقاد
لگا مانگنے اپنی حق سے مُراد
خدا سے لگا کرنے وہ اِلتجا
لگا آپ مسجد میں رکھنے دِیا
نکالا مُرادوں کا آخر سُراغ
لگائی اُدھر لَو، تو پایا چراغ
سحابِ کرم نے کیا جو اثر
ہوئی کِشتِ اُمّید کی بارور
اُسی سال میں یہ تماشا سُنو
رہا حمل اک زوجۂ شاہ کو
جو کچھ دل پہ گُزرے تھے رنج و تعَب
مُبدّل ہوئے وے خوشی ساتھ سب
خوشی سے پلا مجھ کو ساقی شراب
کوئی دم میں بجتا ہے چنگ و رباب
کروں نغمۂ تہنیت کو شُروع
کہ اک نیک اختر کرے ہے طُلوع

داستان تولُّد ہونے کی شاہ زادہ بے نظیر کے

گئے نَو مہینے جب اِس پہ گزر
ہوا گھر میں شہ کے تولُّد پسر

عجب صاحبِ حُسن پیدا ہوا
جسے مہر و مہ دیکھ شیدا ہوا
نظر کو نہ ہو حُسن پر اُس کے تاب
اُسے دیکھ، بے تاب ہو آفتاب
ہوا وہ جو اُس شکل سے دل پذیر
رکھا نام اُس کا شہِ بے نظیر
خَواصوں نے، خواجہ سراؤں نے جا
کئی نذریں گُزرانیاں اور کہا:
مُبارک تجھے اے شہِ نیک بخت
کہ پیدا ہوا وارثِ تاج و تخت
سکندر نژاد اور دارا حَشَم
فلک مَرتبت اور عُطارِد رقم
رہے اُس کے اِقلیم زیرِ نگیں
غلامی کریں اُس کی خاقانِ چیں
یہ سُنتے ہی مژدہ، بچھا جا نماز
کیے لاکھ سجدے کہ اے بے نیاز!
تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار
نہ ہو تجھ سے مایوس، اُمیدوار
دُوگانہ غرض شکر کا کر ادا
تہیّہ کیا شاہ نے جشن کا
دیے نذریں خَواصوں کی، خوجوں کی لے
اُنھیں خلعت و زر کا اِنعام دے
کہا: جاؤ، جو کچھ کہ درکار ہو
کہو خانساماں سے تیار ہو
نقیبوں کو بُلوا کے یہ کہہ دیا
کہ نقار خانے میں دو حکم جا
کہ نوبت خوشی کی بجاویں تمام
خبر سُن کے یہ، شاد ہوں خاص و عام
یہ مژدہ جو پہنچا، تو نقارچی
لگا ہر جگہ بادلہ اور زری
بنا ٹھاٹھ نقار خانے کا سب
مُہیّا کر اسبابِ عَیش و طرب
غلاف اُن پہ باناتِ پُرزر کے ٹانک
شتابی سے نقاروں کو سینک سانک

دیا چوب کو پہلے بم سے مِلا
لگی پھیلنے ہر طرف کو صدا
کہا زیر سے بم نے بہرِ شگوں
کہ دوں دوں، خوشی کی خبر کیوں نہ دوں
بجے شادیانے جو وہاں اُس گھڑی
ہوئی گرد و پیش آ کے خلقت کھڑی
بہم مِل کے بیٹھے جو شہنا نواز
بنا مُنہ سے پھرکی، لگا اُس پہ ساز
سروں پر دھرے سر پیچ معمول کے
خوشی سے ہوئے گال گُل پھول کے
لگے لینے اُپجیں خوشی سے نئی
اڑانا لگا بجنے اور سُگھڑئی
ٹکوروں میں نوبت کے شہنا کی دُھن
سُگھڑ سُننے والوں کو کرتی تھی سُن
تُرھئی اور قرنائے شادی کے دم
لگے بھرنے زیل اور کھرج میں بہم
سُنی جھانجھ نے جو خوشی کی نوا
تھرکنے لگا تالیوں کو بجا
نئے سر سے عالَم کو عشرت ہوئی
کہ لڑکے کے ہونے کی نوبت ہوئی
محل سے لگا تا بہ دیوانِ عام
عجب طرح کا اک ہوا اژدحام
چلے لے کے نذریں وزیر و امیر
لگے کھنچنے زر کے توڑے نقیر
دیے شاہ نے شاہ زادے کے ناؤں
مشائخ کو اور پیرزادوں کو گاؤں
امیروں کو جاگیر، لشکر کو زر
وزیروں کو الماس و لعل و گہر
خواصوں کو، خوجوں کو جوڑے دیے
پیادے جو تھے اُن کو گھوڑے دیے
خوشی سے کیا یہاں تلک زر نثار
جسے ایک دینا تھا، بخشے ہزار
کیا بھانڈ اور بھگتیوں نے ہجوم
ہوئی "آ ہے آ ہے، مبارک" کی دھوم

لگا کھنچنی، بجونہ پرنی تمام
کہاں تک میں یوں نوبت کاردں کا نام
جہاں تک کہ سازندے تھے ساز کے
دھنی دست کے اور آواز کے
جہاں تک کہ تھے گائک اور تنت کار
لگے گانے اور ناچنے ایک بار
لگے بجنے قانون و بین و رباب
بہا ہر طرف جوئے عشرت کا آب
لگی تھاپ طبلوں پہ مِردنگ کی
صدا اونچی ہونے لگی چنگ کی
کمانچوں کو، سارنگیوں کو بنا
خوشی سے ہر اک اُن کی تربیں مِلا
لگا تار پر موم، مُرچنگ کے
مِلا سُر طنبوروں کے یک رنگ کے
ستاروں کے پردے بنا کر دُرست
بجانے لگے سب وے چالاک و چست
گئی بین کی آسماں پر گمک
اُٹھا گُنبدِ چرخ سارا دھمک
خوشی کی زبس ہر طرف تھی بِساط
لگے ناچنے اُس پہ اہلِ نشاط
کناری کے جوڑے چمکتے ہوئے
وہ پاؤں میں گھنگرو جھنکتے ہوئے
وہ گھٹنا وہ بڑھنا اداؤں کے ساتھ
دِکھانا وہ رکھ رکھ کے چھاتی پہ ہاتھ
وہ بالے چمکتے ہوئے کان میں
پھڑکنا وہ نتھنے کا ہر آن میں
کبھی دل کو پاؤں سے مَل ڈالنا
نظر سے کبھی دیکھنا بھالنا
دِکھانا کبھی اپنی چھب مُسکرا
کبھی اپنی اَنگیا کو لینا چھپا
کسی کے وہ مکھڑے پہ نتھ کی پھبن
کسی کے چمکتے ہوئے نورتن
وہ دانتوں کی مسّی، وہ گُل برگِ تر
شفق میں عیاں جیسے شام و سحر

وہ گرمی کے چہرے، کہ جوں آفتاب
جسے دیکھ کر دل کو ہو اِضطراب
چمکنا گلوں کا صفا کے سبب
وہ گردن کے ڈورے قیامت غضب
کبھی مُنہ کے تئیں پھیر لینا اُدھر
کبھی چوری چوری سے کرنا نظر
دوپٹّے کو کرنا کبھی مُنہ کی اُوٹ
کہ پردے میں ہوجائیں دل ٹوٹ پُوٹ
ہر اک تان میں اُن کو ارمان یہ
کہ دل لیجیے تان کی جان یہ
کوئی فن میں سنگیت کے شُعلہ رو
برم جوگ پچھمی کے لے پَر سلُو
کوئی ڈیڑھ گت ہی میں پاؤں تلے
کھڑی عاشقوں کے دِلوں کو مَلے
کوئی دائرے میں بجا کر پَرَن
کوئی ڈھمڈِھمی میں دکھا اپنا فن
غرض ہر طرح دل کو لینا اُنھیں
نئی طرح سے داغ دینا اُنھیں
کبھی مار ٹھوکر، کریں قتلِ عام
کبھی ہاتھ اُٹھا، لیویں گرتے کو تھام
کہیں دُھرپت اور گیت کا شور و غُل
کہیں قَول و قلبانہ و نقش و گُل
کہیں بھانڈ کے ولولوں کا سَماں
کہیں ناچ کشمیریوں کا وہاں
مَنجیرا، پکھاوج، طبلے ڈال ڈھول
بجاتے تھے اُس جا کھڑے باندھ غُول
محل میں جو دیکھو تو اک اِزدِحام
مُبارک سلامت کی تھی دھوم دھام
وہاں بھی تو تھی عیش و عشرت کی دھوم
پری پیکروں کا ہر اک جا ہجُوم
چھٹی تک غرض تھی خوشی ہی کی بات
کہ دن عید اور رات تھی شب برات
بڑھے ابر ہی ابر میں جوں ہلال
محل میں لگا پلنے وہ نونہال

برس گانٹھ جس سال اُس کی ہوئی
دلِ بستگاں کی گرہ کھل گئی
وہ گُل جب کہ چوتھے برس میں لگا
بڑھایا گیا دُودھ اُس ماہ کا
ہوئی تھی جو کچھ پہلے شادی کی دھوم
اُسی طرح سے پھر ہوا وہ ہجوم
طوائف وہی اور وہی راگ و رنگ
ہوئی بلکہ دونی خوشی کی ترنگ
وہ گُل، پانو سے اپنے جس جا چلا
وہاں آنکھ کو نرگسوں نے مَلا
لگا پھرنے وہ سَرو جب پانو پانو
کیے بردے آزاد تب اُس کے نانو

داستان تیاری میں باغ کی

مے ارغوانی پلا ساقیا
کہ تعمیر کو باغ کی دل چلا
دیا شہ نے ترتیب اِک خانہ باغ
ہوا رشک سے جس کے، لالہ کو داغ
عمارت کی خوبی، دَروں کی وہ شان
لگے جس میں زربفت کے سائبان
چقیں اور پردے بندھے زرنگار
دَروں پر کھڑی دست بستہ بہار
کوئی ڈور سے دَر پہ اٹکا ہوا
کوئی زِہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا
وہ مُقیش کی ڈوریاں سر بہ سر
کہ مہ کا بندھا جن میں تارِ نظر
چقوں کا تماشا، تھا آنکھوں کا جال
نگہ کو وہاں سے گُزرنا مُحال
سُنہری مُغرّق چھتیں ساریاں
وہ دیوار اور در کی گُل کاریاں
دیے چار سو آئنے جو لگا
گیا چوگنا لطف اُس میں سما

وہ مخمل کا فرش اُس میں ستھرا کہ بس
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

رہیں لخلخے اُس میں روشن مُدام
مُعطّر شب و روز جس سے مَشام

چھپر کھٹ مُرصّع کا دالان میں
چمکتا تھا اِس طرح ہر آن میں

زمیں پر تھی اِس طور اُس کی جھلک
ستاروں کی جیسے فلک پہ چمک

زمیں کا کروں وھاں کی کیا میں بیاں
کہ صَندل کا اک پارچہ تھا عیاں

بنی سنگِ مرمر سے چوپڑ کی نہر
گئی چار سو اُس کے پانی کی لہر

قرینے سے گرد اُس کے سَروِ سَہی
کچھ اک دور دور اُس سے بیعتِ بہی

کہوں کیا میں کیفیتِ داربست
لگائے رہیں تاک وھاں مے پرست

ہَوائے بہاری سے گُل لہلہے
چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے

زَمرّد کے مانند سبزے کا رنگ
رَوِش کا، جواہر ہوا، جس سے سنگ

رَوِش کی صفائی پہ بے اِختیار
گُلِ اَشرَفی نے کیا زر نثار

چمن سے بھرا باغ، گُل سے چمن
کہیں نرگس و گُل، کہیں یاسَمن

چنبیلی کہیں اور کہیں مُوتیا
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

کھڑے شاخِ شبّو کے ہر جا نشان
مدن بان کی اور ہی آن بان

کہیں اَرغواں اور کہیں لالہ زار
جُدی اپنے موسم میں سب کی بہار

کہیں جعفری اور گیندا کہیں
سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں

عجب چاندنی میں گلوں کی بہار
ھر اک گُل سفیدی سے مہتاب وار

کھڑے سرو کی طرح چمپے کے جھاڑ
کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ
کہیں زرد نسریں، کہیں نسترن
عجب رنگ پر زعفرانی چمن
پڑی آبجو ہر طرف کو بہے
کریں قمریاں سرو پر چہچہے
گلوں کا لبِ نہر پر جھومنا
اسی اپنے عالم میں منہ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر
نشے کا سا عالم گلستان پر
لیے بیلچے ہاتھ میں مالنے
چمن کو لگیں دیکھنے بھالنے
کہیں تخم پاشی کریں کھود کر
پنیری جماویں کہیں گود کر
کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال
رہیں ہاتھ جوں مست گردن پہ ڈال
لبِ جو کے آئینے میں دیکھ قد
اکڑنا کھڑے سرو کا جد نہ تد
خراماں صبا صحن میں چار سو
دماغوں کو دیتی پھرے گل کی بو
کھڑے نہر پر قاز اور قرقرے
لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے
صدا قرقروں کی، بطوں کا وہ شور
درختوں پہ بگلے، منڈیروں پہ مور
چمن آتشِ گل سے دہکا ہوا
ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے بھول
پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول
وہ کیلوں کی اور مولسریوں کی چھانو
لگی جائیں آنکھیں لیے جن کا نانو
خوشی سے گلوں پر سدا بلبلیں
تعشق کی آپس میں باتیں کریں
درختوں نے برگوں کے کھولے ورق
کہ لیں طوطیاں، بوستاں کا سبق

سماں قُمریاں دیکھ اُس آن کا　　پڑھیں بابِ پنجم گُلستان کا
دَدا، دائیاں اور مُغلانیاں　　پھریں ہر طرف اُس میں جلوہ کُناں
خواصوں کا اور لونڈیوں کا ہُجوم　　محل کی وہ چُہلیں، وہ آپس کی دھوم
تکلّف کے پہنے پھریں سب لباس　　رہیں رات دن شاہ زادے کے پاس
کنیزانِ مہ رُو کی ہر طرف ریل　　چنبیلی کوئی، اور کوئی رائے بیل
شگوفہ کوئی، اور کوئی کام روپ　　کوئی چت لگن، اور کوئی شیام روپ
کوئی کیتکی اور کوئی گُلاب　　کوئی مہ رتن، اور کوئی ماہتاب
کوئی سیوتی، اور ہنس مُکھ کوئی　　کوئی دل لگن، اور تن سُکھ کوئی
اِدھر اور اُدھر آتیاں جاتیاں　　پھریں اپنے جوبن میں اِتراتیاں
کہیں چُٹکیاں اور کہیں تالیاں　　کہیں قہقہے اور کہیں گالیاں
کہیں اپنی پٹّی سنوارے کوئی　　اَری اور تُری کہہ پکارے کوئی
بجاتی پھرے کوئی اپنے کڑے　　کہیں ہوئے رے، اور کہیں واچھڑے
دِکھاوے کوئی گوکھرو مُوڑ مُوڑ　　کہیں سوت بوٹی، کہیں تار توڑ
ادا سے کوئی بیٹھی حُقّہ پیے　　درم دوستی کوئی بھر بھر جیے
کوئی حوض میں جا کے غُوطہ لگائے　　کوئی نہر پر پانو بیٹھی ہلائے
کوئی اپنے توُتے کی لیوے خبر　　کوئی اپنی مینا پہ رکھّے نظر
کسی کو کوئی ڈھول مارے کہیں　　کوئی جان کو اپنی وارے کہیں

کوئی آرسی اپنے آگے دھرے
ادا سے کہیں بیٹھی کنگھی کرے
مُقابا کوئی کھول، مِسّی لگائے
لَبوں پر دَھڑی کوئی بیٹھی جمائے
ہوا اُن گُلوں سے دوبالا سماں
اُسی باغ میں یہ بھی باغِ رَواں
غرض لوگ تھے یہ جو ہر کام کے
سو سب واسطے اُس کے آرام کے
پَلا جب وہ اِس ناز و نعمت کے ساتھ
پدر اور مادر کی شَفقت کے ساتھ
ہوئی اُس کے مکتب کی شادی عیاں
ہوا پھر اُنھیں شادیوں کا سماں
مُعَلِّم، اَتالیق، مُنشی، ادیب
ہر اک فن کے اُستاد بیٹھے قریب
کیا قاعدے سے شُروعِ کلام
پڑھانے لگے علم اُس کو تمام
دیا تھا زبس حق نے ذِہنِ رَسا
کئی برس میں علم سب پڑھ چکا
مَعانیؔ و مَنطِق، بَیان و ادب
پڑھا اُس نے مَنقول و مَعقول سب
خبردار حِکمت کے مضمون سے
غرض جو پڑھا اُس نے، قانون سے
لگا ہَیئت و ہندَسہ تا نُجوم
زمیں آسماں میں پڑی اُس کی دھوم
کیے عِلم نوکِ زَباں حرف حرف
اِسی نَحو سے عمر کی اُس نے صَرف
عُطارِد کو اُس کی لگی آنے ریس
ہُوا سادہ لَوحی میں وہ خوش نویس
ہوا جب کہ نَوخط وہ شیریں رقم
بڑھا کر لکھے سات سے، نَو قلم
لیا ہاتھ جب خامۂ مُشک بار
لکھا نَسخ و رَیحان و خطِ غُبار
عروض المخطوط اور ثُلث و رِقاع
خَفی و جَلی مثلِ خطِ شُعاع

شکستہ لکھا اور تعلیق جب
رہے دیکھ حیراں اتالیق سب
کیا خطِ گلزار سے جب فراغ
ہوا صفحۂ قطعہ گلزار باغ
کروں[لہ] علم اُس کا کہاں تک بیاں
کہ ہے خوب اب مختصر یہ بیاں
کماں کے جو درپے ہوا بے نظیر
لیا کھینچ چلّے میں سب فنِ تیر
صفائی میں سوفار، پیکاں کیا
گیا جب کہ تودے پہ، طوفاں کیا
رکھا چھوٹتے ہی جو لکڑی پہ مَن
کیا اپنے قبضے میں سب اُس کا فن
ہوئیں دست و بازو کی سرسائیاں
اُڑائیں کئی ہاتھ میں گھائیاں
رکھا موسیقی پر بھی کچھ جو خیال
کیے قید سب اُس نے ہاتھوں میں تال
طبیعت گئی کچھ جو تصویر پر
رکھے رنگ سب اُس نے مدِّ نظر
کئی دن میں سیکھا یہ کسبِ تفنگ
کہ حیراں ہوئے دیکھ اہلِ فرنگ
سوا اِن کمالوں کے، کتنے کمال
مُروّت کی خو، آدمیّت کی چال
رذالوں سے، نفروں سے، نفرت اُسے
سدا قابلوں ہی سے صحبت اُسے
گیا نام پر اپنے وہ دل پذیر
ہر اک فن میں یکّہ ہوا بے نظیر

داستان سواری کی تیاری کے حکم میں

پلا ساقیا مجھ کو اک جامِ مُل
جوانی پہ آیا ہے ایّامِ گُل

[لہ] یہ شعر نسخۂ فورٹ ولیم میں موجود نہیں۔

غنیمت شُمر صحبتِ دوستاں   کہ گُل پنج روز ست در بوستاں
ثمر لے بھلائی کا، گر ہو سکے   شِتابی سے بُو لے، جو کچھ بُو سکے
کہ رنگِ چمن پر نہیں اعتبار   یہاں چرخ میں ہے خزان و بہار
پڑی جب گرہ بارھویں سال کی   کُھلی گُل جھڑی غم کے جنجال کی
کہا شہ نے بُلوا نقیبوں کو شام   کہ ہوں صبح حاضر سبھی خاص و عام
سواری تکلّف سے تیّار ہو   مُہیّا کریں جو کہ درکار ہو
کریں شہر کو مل کے آئینہ بند   سواری کا ہو لُطف جس سے دوچند
رعیّت کے خوش ہوں صغیر و کبیر   کہ نکلے گا کل شہر میں بے نظیر
یہ فرما، محل میں گئے بادشاہ   نقیبوں نے سُن حکم، لی اپنی راہ
ہوئی شب، لیا مہ نے جامِ شراب   گیا سجدۂ شُکر میں آفتاب
خوشی سے گئی جلد شب جو گزر   ہوئی سامنے سے نُمایاں سحر
عجب شب تھی وہ، جوں سحر روسپید   عجب روز تھا، مثلِ روزِ اُمید
گیا مژدۂ صُبح لے ماہتاب   اُٹھا سورج آنکھوں کو ملتا شتاب
کہا شاہ نے اپنے فرزند کو   کہ بابا! نہا دھو کے تیار ہو

داستان حمّام میں نہانے کی لطافت میں

پلا آتشیں آب، پیرِ مُغاں   کہ بھولے مجھے گرم و سردِ جہاں

اگر چاہتا ہے مرے دل کا چین
نہ دینا وہ ساغر جو ہو قُلَّتَین
کدورت مرے دل کی دھو ساقیا
ذرا شیشۂ مے کو دُھو دھا کے لا
کہ سرگرمِ حمّام ہے بے نظیر
گیا ہے نہانے کو ماہِ مُنیر
ہوا جب کہ داخل وہ حمّام میں
عَرَق آ گیا اُس کے اَندام میں
تنِ نازنیں نَم ہُوا اُس کا کُل
کہ جس طرح ڈوبے ہے شبنم میں گُل
پَرَستار باندھے ہوئے لُنگیاں
مہ و مہر سے طاس لے کر وہاں
لگے مَلنے اُس گُل بدن کا بدن
ہُوا ڈَہڈَہا آب سے وہ چمن
نہانے میں یوں تھی بدن کی دَمک
برسنے میں بجلی کی جیسے چمک
لبوں پر جو پانی پھرا سر بسر
نظر آئے جیسے وہ گُل برگِ تر
ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس
کہے تو پڑی جیسے نرگس پہ اُوس
لگا ہونے ظاہر جو اِعجازِ حُسن
ٹپکنے لگا اُس سے اندازِ حُسن
گیا حوض میں جو شہِ بے نظیر
پڑا آب میں عکسِ ماہِ مُنیر
وہ گورا بدن اور بال اُس کے تر
کہے تو کہ ساون کی شام و سحر
نمی کا تھا بالوں کی عالم عجب
نہ دیکھی کوئی خوب تر اُس سے شب
کہوں اُس کی خوبی کی کیا تجھ سے بات
کہ جوں بھیگتی جاوے صحبت میں رات
زمیں پر تھا یک موجۂ نور خیز
ہوا جب وہ فُوّارہ ساں آب ریز
زمرد کے لے ہاتھ میں سنگِ پا
کیا خادموں نے جو آہنگِ پا

ہنسا کھلکھلا وہ گُلِ نوبہار لیا کھینچ پانوں کو بے اختیار
عجب عالم اُس نازنیں پر ہوا اثر گُدگُدی کا جبیں پر ہوا
ہنسا اِس ادا سے کہ سب ہنس پڑے ہوئے جی سے قُربان چھوٹے بڑے
دُعائیں لگے دینے بے اختیار کہا، خوش رکھے تجھ کو پروردگار
کہ تیری خوشی سے ہے سب کی خوشی مُبارک تجھے روز و شب کی خوشی
نہ آوے کبھی تیری خاطر پہ مَیل چمکتا رہے یہ فلک کا سُہیل
کیا غُسل جب اِس لطافت کے ساتھ اُڑھا کھیس، لائے اُسے ہاتھوں ہاتھ
نہا دھو کے نکلا وہ گُل اِس طرح کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح
غرض شاہزادے کو نہلا دُھلا دیا خلعتِ خُسروانہ پنہا
جواہر سراسر پنہایا اُسے جواہر کا دریا بنایا اُسے
لڑی، لٹکن اور کلغی اور نورتن عدد ایک سے ایک زیبِ بدن
مُرصّع کا سرپیچ جوں موجِ آب مُصفّا بہ شکلِ گُلِ آفتاب
وہ موتی کے مالے بصد زیب و زین کہیں جن کو آرامِ جاں، دل کا چین
جواہر کا تن پر عجب تھا ظُہور کہ ایک ایک عدد اُس کا تھا کوہِ طور
غرض ہو کے اِس طرح آراستہ خراماں ہوا سروِ نوخاستہ
نکل گھر سے جس دم ہوا وہ سوار کیے خوان گوہر کے اُس پر نثار
زبس تھا سواری کا باہر ہجوم ہوا جب کہ ڈنکا، پڑی سب میں دھوم

برابر برابر کھڑے تھے سوار
ہزاروں ہی تھی ہاتھیوں کی قطار
سُنہری رُپہری تھیں عَمّاریاں
شب و روز کی سی طرحداریاں
چمکتے ہوئے بادلوں کے نشان
سواروں کے غَٹ اور بانوں کی شان
ہزاروں تھی اَطراف میں پالکی
جَھلا بُور کی جَگمگی نالکی
کہاروں کی زَربَفت کی کُرتیاں
اور اُن کے دبلے پانوں کی پھُرتیاں
بندھیں پگڑیاں تاش کی سر اوپر
چَکا چوَندھ میں جس سے آوے نظر
وہ ہاتھوں میں سونے کے موٹے کڑے
جھلک جس کی ہر ہر قدم پر پڑے
وہ ماہی مَراتب، وہ تختِ رَواں
وہ نَوبت کہ دولھا کا جس سے سماں
وہ شہنائیوں کی صدا خوش نَوا
سُہانی وہ نَوبت کی اُس میں صدا
وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقّارچی
قدم با قدم با لباسِ زَری
بجاتے ہوئے شادیانے تمام
چلے آگے آگے مِلے شادکام
جِلَو میں تمامی امیر و وزیر
سوار اور پیادے، صغیر و کبیر
وے نذریں کہ جس جس نے تھیں ٹھانیاں
شہ و شاہزادے کو گُزرانیاں
ہوئے حکم سے شاہ کے پھر سوار
چلے سب قَرینے سے باندھے قَطار
سجے اور سجائے سبھی خاص و عام
لباسِ زری میں مُلَبّس تمام
طُرق کے طُرق اور پَرے کے پَرے
کچھ اِدھر اُدھر کچھ وَرے کچھ پَرے
مُرصّع کے سازوں سے کوتل سَمند
کہ خوبی میں رُوحُ القُدس سے دوچند

وہ فیلوں کی اور میگ ڈمبر کی شان
چلی پایۂ تخت کے ہو قریب
سواری کے آگے کیے اِہتمام
نَقیب اور جِلَو دار اور چوب دار
اُسی اپنے معمول و دستور سے
یَلو، نَوجوانو! بڑھے جائیو
بڑھے جائیں آگے سے چلتے قدم
غرض اِس طرح سے سواری چلی
تماشائیوں کا جُدا تھا ہجوم
لگا قلعے سے شہر کی حد تلک
کیا تھا زبس شہر آئینہ بند
منڈھے تھے تمامی سے دیوار و در
رعیّت کی کثرت، ہجومِ سپاہ
ہوئے جمع کوٹھوں پہ جو مرد و زن
یہ خالق کی حُسن قدرتِ کامِلہ
لگا کنج سے تا ضعیف و نحیف
وحوش و طیوروں تلک بے خلل

جھلکتے وہ مُقیّش کے سائبان
بہ دستورِ شاہانہ نیتی جریب
لیے سونے روپے کے عاصے تمام
یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار،
ادب سے، تفاوت سے اور دور سے
دو جانب سے باگیں لیے آئیو
بڑھے عمر و دولت قدم با قدم
کہے تو کہ بادِ بہاری چلی
ہر اک طرف تھی ایک عالم کی دھوم
دکانوں پہ تھی بادلے کی جھلک
ہوا جَرک کا لطف وہاں چار چند
تمامی وہ تھا شہر، سونے کا گھر
گزرتی تھی رُک رُک کے ہر جا نگاہ
ہر اک سطح تھا جوں زمینِ چمن
تماشے کو نکلی زنِ حامِلہ
تماشے کو نکلے وَضیع و شریف
پڑے آشیانوں سے اپنے نکل

نہ پہنچا جو اک مُرغِ قبلہ نُما
سو وہ آشیانے میں تڑپا کیا
زبس شاہزادہ بہت تھا حسیں
ہوئے دیکھ عاشق کہین و مہیں
نظر جس کو آیا وہ ماہِ تمام
کیا اُس نے جُھک جُھک کے اُس کو سلام
دُعا شاہ کو دی کہ بارِ الٰہ!
سدا یہ سلامت رہیں مہر و ماہ
یہ خوش اپنے مہ سے رہے شہر یار
کہ روشن رہے شہر، پروردگار
غرض شہر سے باہر اِک سمت کو
کوئی باغ تھا شہ کا، اُس میں سے ہو
گھڑی چار تک خوب سی سَیر کر
رعیّت کو دکھلا کے اپنا پسر
اُسی کثرتِ فوج سے ہو سوار
پھرا شہر کی طرف وہ شہر یار
سواری کو پہنچا گئی فوج اُدھر
گئے اپنی منزل میں شمس و قمر
جہاں تک کہ تھیں خادمانِ محل
خوشی سے وہ ڈیوڑھی تک آئیں نکل
قدم اپنے حُجروں سے باہر نکال
لیا سب نے آ بیٹھوا حال حال
بُلائیں لگیں لینے سب ایک بار
کیا جی کو یک دست سب نے نثار
گیا جب محل میں وہ سروِ رَواں
بندھا ناچ اور راگ کا پھر سماں
پَہر رات تک پہنے پوشاک وہ
رہا ساتھ سب کے طربناک وہ
قضارا، وہ شب تھی شبِ چاردَہ
پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مَہ
نظارے سے تھا اُس کے دل کو سُرور
عجب عالَمِ نور کا تھا ظُہور
عجب لُطف تھا سَیرِ مہتاب کا
کہے تو کہ دریا تھا سیماب کا

ہُوا شاہ زادے کا دل بے قرار
یہ دیکھی جو وہاں چاندنی کی بہار
کچھ آئی جو اُس مہ کے جی میں ترنگ
کہا: آج کوٹھے پہ بچھے پلنگ
خواصوں نے جا، شاہ سے عرض کی
کہ شہ زادے کی آج یوں ہے خوشی
ارادہ ہے کوٹھے پہ آرام کا
کہ بھایا ہے عالم لبِ بام کا
کہا شہ نے: اب تو گئے دن نکل
اگر یوں ہے مرضی، تو کیا ہے خلل
پر، اتنا ہو، اُس سے خبردار ہوں
جنھوں کی ہے چوکی، وہ بیدار ہوں
لبِ بام پہ جب یہ سووے صنم
کریں سورۂ نور کو اس پہ دم
تمھارا مرا بول بالا رہے
یہ اِس گھر کا قائم اُجالا رہے
کہا تب خواصوں نے: حق سے اُمید
یہی ہے کہ ہم بھی رہیں رُو سفید
پھریں حُکم لے واں سے پھر شاہ کا
بچھونا کیا جا کے اُس ماہ کا
قضارا، وہ دن تھا اُسی سال کا
غلط وہم ماضی میں تھا حال کا
سخن مولوی کا یہ سچ ہے قدیم
کہ آگے قضا کے، ہو احمق حکیم
بڑے اپنے اپنے جو سب عیش بیچ
نہ سوجھی زمانے کی کچھ اونچ نیچ
یہ جانا کہ یوں ہی رہے گا یہ دَور
زمانے کا سمجھا اُنھوں نے نہ طَور
کہ اِس بے وفا کی نئی ہے ترنگ
یہ گرگٹ بدلتا ہے ہر دم میں رنگ
کِرا بادۂ عیش در جام ریخت
کہ صد شام بر فرقِ صبحش نہ بیخت
نداری تعجب ز نیرنگِ دہر
کہ آرد ز یک حقّہ تریاک و زہر

داستان شاہزادے کے کوٹھے پر سونے کی اور پری کے اُڑا کر لے جانے کی

شتابی سے اُٹھ ساقیِ بے خبر
کہ چاروں طرف ماہ ہے جلوہ گر
بلوریں گلابی میں دے بھر کے جام
کہ آیا بلندی پہ ماہِ تمام
جوانی کہاں اور کہاں پھر یہ سن
مَثل ہے کہ ہے چاندنی چار دن
اگر مے کے دینے میں کچھ دیر ہے
تو پھر جان یہ تو کہ اندھیر ہے
وہ سونے کا جو تھا جڑاؤ پلنگ
کہ سیمیں تنوں کو ہو جس پر اُمنگ
کھنچی چادر ایک اُس پہ شبنم کی صاف
کہ ہو چاندنی جس صفا کی غلاف
دھرے اُس پہ تکیے، کئی نرم نرم
کہ مخمل کو ہو جس کے دیکھے سے شرم
کہاں تک کوئی اُس کی خوبی کو پائے
جسے دیکھ، آنکھوں کو آرام آئے
کَسے اُس پہ گَنّے وہ مُقَیَّش کے
کہ جھبّوں میں تھے جس کے موتی لگے
سراسر اَدَوچے زری باف کے
کہ تھے رشکِ آئینۂ صاف کے
وہ گل تکیے اُس کے جو تھے رشکِ ماہ
کہ ہر وجہ تھی اُن کو خوبی میں راہ
کبھی نیند میں جب کہ ہوتا تھا وہ
تو رُخسارہ رکھ اپنا سوتا تھا وہ
چھپائے[ط] سے ہوتا نہ حسن اُس کا ماند
کہے تو، لگائے تھے مکھڑے پہ چاند

[ط] نوٹ صفحہ ۵۲ پر دیکھیے۔

زبس نیند میں تھا جو وہ ہو رہا — بچھونے پہ آتے ہی بس سو رہا
وہ سویا جو اُس آن سے بے نظیر — رہا پاسباں اُس کا ماہِ مُنیر
ہُوا اُس کے سونے پہ عاشق جو ماہ — لگا دی اُدھر اپنی اُس نے نگاہ
وہ مہ، اُس کے کوٹھے کا ہالا ہُوا — غرض وھاں کا عالم دوبالا ہوا
وہ پھولوں کی خوشبو، وہ ستھرا پلنگ — جوانی کی نیند اور وہ سونے کا رنگ
جہاں تک کہ چوکی کے تھے باری دار — ہَوا جو چلی، سو گئے ایک بار
غرض سب کو واں عالمِ خواب تھا — مگر جاگتا ایک مہتاب تھا
قضارا، ہُوا اک پری کا گزر — پڑی شاہ زادے پہ اُس کی نظر
بھبوکا سا دیکھا جو اُس کا بدن — جلا آتشِ عشق سے اُس کا تن
ہوئی حُسن پر اُس کے جی سے نثار — وہ تخت اپنا لائی ہَوا سے اُتار
جو[1] دیکھا تو عالم عجب ہے یہاں — مُنوّر ہے سارا زمیں آسماں
دوپٹے کو اُس مہ کے مُنہ سے اُٹھا — دیا گال سے گال اپنا ملا

نوٹ صفحہ ۵۱

نسخۂ نظامی پریس میں اس شعر کے بعد یہ شعر بھی ہے:

ہوئی دونوں کے حُسن کی ایک جوت — کہ جیسے ہوں دو چشموں کی ایک سوت

بظاہر یہ شعر یہاں غیر متعلق سا معلوم ہوتا ہے اس لیے شاملِ متن نہیں کیا گیا۔

[1] یہ شعر نسخۂ فورٹ ولیم میں موجود نہیں۔

اگرچہ ہوئی تھی زیادہ ہوس
ولیکن حیا نے کہا اُس کو، بس
ہے عشق میں پھر یہ سوجھی ترنگ
کہ لے چلیے اِس کا اَمانت پلنگ
محبّت کی آئی جو دل پر ہوا
وہاں سے اُسے لے اُڑی دِل رُبا
ہُوا جب زمیں سے وہ شُعلہ بلند
ہَوا میں ستارہ سا چمکا دوچند
شبِ مہ میں یوں وہ زمیں سے اُڑا
چلے شیر جس طرح سے جوش کھا
جَلے رشک سے اُس کے شمع و چراغ
کہ اُس مہ کا پہنچا فلک پر دماغ
غرض لے گئی آن کی آن میں
اُڑا کر وہ اُس کو پرستان میں
کبھی خوش ہے دل اور کبھی دردمند
زمانے کی جب سے ہے پَست و بلند
شتابی مجھے ساقیا! دے شراب
کہ یہ حال سُن کر، ہوا دل کباب

داستان وہاں سے اُس کے غائب ہونے کی اور غم سے ماں باپ اور سب کے حالت تباہ کرنے کی

یہاں کا تو قصّہ میں چھوڑا یہاں
ذرا اب سُنو غم زدوں کا بیاں
کروں حال ہجراں زدوں کا رقم
کہ گزرا جُدائی سے کیا اُن پہ غم
کُھلی آنکھ جو ایک کی وھاں کہیں
تو دیکھا کہ وہ شاہ زادہ نہیں
نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہ رو
نہ وہ گُل ہے اُس جا، نہ وہ اُس کی بو
رہی دیکھ یہ حال حیرانِ کار
کہ یہ کیا ہوا ہائے پروردگار

کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی
کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلبلاتی سی پھرنے لگی
کوئی ضعف ہو ہو کے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ، دل گیر ہو
گئی بیٹھ، ماتم کی تصویر ہو
کوئی رکھ کے زیرِ زنخداں چھڑی
رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی
رہی کوئی اُنگلی کو دانتوں میں داب
کسی نے کہا: گھر ہوا یہ خراب
کسی نے دیے کھول سُنبل سے بال
تپانچوں سے جوں گُل کیے سُرخ گال
نہ بَن آئی کچھ اُن کو اِس کے سِوا
کہ کہیے یہ اَحوال اب شہ سے جا
سُنی شہ نے اَلقِصّہ جب یہ خبر
گرا خاک پر کہ کے: ہائے پسر!
کلیجا پکڑ ماں تو بس رہ گئی
کلی کی طرح سے بِکس رہ گئی
ہوا گُم وہ یوسف، پڑی یہ جو دھوم
کیا خادِمانِ محل نے ہُجوم
کہا شہ نے: وھاں کا مجھے دو پتا
عزیزو! جہاں سے وہ یوسف گیا
گئے لے وہ شہ کو لبِ بام پر
دکھایا کہ سوتا تھا یھاں سیم بر
یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا
کہا: ہائے بیٹا، تو یھاں سے گیا!
مرے نوجواں! میں کدھر جاؤں پیر
نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر!
عجب بحرِ غم میں ڈُبویا ہمیں
غرض جان سے تو نے کھویا ہمیں
کروں اُس قیامت کا کیا میں بیاں
ترقی میں ہر دم تھا شور و فغاں
لبِ بام کثرت جو یک سر ہوئی
تلے کی زمیں ساری، اوپر ہوئی

شب آدھی وہ جس طرح سوتے کٹی   رہی تھی جو باقی، سو روتے کٹی
عجب طرح کی شب تھی ہیہات وہ   قیامت کا دن تھا، نہ تھی رات وہ
سحر نے کیا جب گریبان چاک   اُڑانے لگے مل کے سب سر پہ خاک
اُٹھا شہر میں ہر طرف شور و غل   کہ غائب ہوا اِس چمن سے وہ گل
غم و درد سے دل جو سب کا بھرا   ہوا باغ سارا وہ ماتم سرا
گیا جب کہ وہ سرو اُس باغ سے   نظر پھول آنے لگے داغ سے
اکڑنا گئے سرو سب اپنا بھول   اُڑانے لگیں قمریاں سر پہ دھول
صدا اب جو کوئی اُنھوں کی سُنے   تو کوکو سے اُن کی، جگر تک بھُنے
ہوئے خشک اور زرد سارے نہال   ثمر رنگ کے پاتوں ہوئے پاے مال
ترانے سے، بلبل کا جی ہٹ گیا   گلوں کا جگر، درد سے پھٹ گیا
تبسم، کلی حزن سے بھول گئی   پیا غم سے از بس لہو، پھول گئی
اُڑا نور نرگس کی آنکھوں کا سب   ہوئے بال سنبل کے، ماتم کی شب
لبِ جو کے اُڑنے لگی گرد، گرد   گلِ اشرفی کا ہوا رنگ زرد
لگی آگ لالہ کے دل کو تمام   دیا آگ میں پھینک عشرت کا جام
پڑا ماتم اُس باغ میں بس کہ سخت   ہوئے نخلِ ماتم، تمامی درخت
گرے غم سے انگور، مدہوش ہو   پڑے سایے سارے سیہ پوش ہو
لگے تھے جو پتے درختوں کے ساتھ   وہ ہل ہل کے ملتے تھے آپس میں ہاتھ

۱۱۰۱۷

وہ لب ریز جو نہر تھی جا بہ جا   سو، آنکھوں کو وہ رہ گئی ڈبڈبا
اُچھلتے تھے فوّارے اُس کے جو وھاں   گئی سب نکل اُن کی تاب و تواں
مژہ پر جو کچھ اشک تھے، جھڑ گئے   غرض رُوتے رُوتے گڑھے پڑ گئے
ہوا حال چشموں کا یہاں تک تباہ   کیا رُخت پانی نے اپنا سیاہ
کہاں وے کنوئیں اور کدھر آبشار   کوئی دل میں رُووے، کوئی ڈھاڑھ مار
نہ بنگلوں کا عالم، نہ وے قرقرے   نہ وے آبجوئیں، نہ سبزے ہرے
جہاں رُقص کرتے تھے طاؤسِ باغ   لگے بُولنے اُن مُنڈیروں پہ زاغ
سُہانی وہ چھائیں جو دل چسپ تھیں   سو کیا ہو کہ اب دل لگے وھاں کہیں
مُنقّش جہاں تھے وے رنگیں مکاں   ہوئے سب وہ جوں دیدۂ خوں چکاں
گُلوں کی طرح کھل رہے تھے جو دِل   سو وے سب خزاں سے ہوئے مُضمحِل
خزاں کا علَم وھاں جو آ کر گڑا   جگر، برگِ گُل کی طرح جھڑ پڑا
نہ غُنچہ، نہ گُل، نے گُلستاں رہا   فَقَط دل میں اک خارِ ہجراں رہا
وزیروں نے دیکھا جو اَحوالِ شاہ   کہ ہوتی ہے اب اِس کی حالت تباہ
کہا سب نے سمجھا کے اُس شاہ کو   کہ دیکھو گے تم اپنے اُس ماہ کو
اگرچہ جُدائی گوارا نہیں   ولیکن خُدائی سے چارا نہیں
سدا ایک سا دن گزرتا نہیں   کوئی ساتھ مرتے کے، مرتا نہیں
نہیں خوب اِتنا تمھیں اضطراب   نصیبوں سے شاید ملے وہ شتاب

خُدا جانے اب اِس میں کیا بھید ہے
یہ کہتے ہیں، جیتوں کو اُمید ہے
ندانم کہ تا کردگارِ جہاں
دریں آشکارا چہ دارد نہاں
خُدا کی خُدائی تو معمور ہے
غرض، اُس کے نزدیک کیا دور ہے
نہیں ایک صورت پہ کوئی مُدام
اُسی کی غرض ذات کو ہے قیام
یہ کہہ، اور شہ کو بٹھا تخت پر
بہ ہر نوع رہنے لگے یک دگر
لُٹایا بہت باپ نے مال و زر
و لیکن نہ پائی کچھ اُس کی خبر
ذرا خضرِ رہ تو ہی ہو ساقیا!
مجھے دے کے مے، کھوج اُس کا بتا
نہ پائی کہیں یہاں جو اُس گُل کی بو
کروں اب پرستان میں جُست و جُو

داستان پرِستان میں لے جانے کی

اُڑی جو پری وہاں سے لے کر اُسے
اُتارا پرِستاں کے اندر اُسے
وہاں ایک تھا سِیر کا اُس کی باغ
کہ جس کے گُلوں سے ہو تازہ دِماغ
رَیاحین و گُل اُس میں اَنواع کے
طِلسمات گُل اُس میں اَنواع کے
طِلسمات کے سارے دیوار و در
نہ یہاں کے سے کوٹھے، نہ یہاں کے سے گھر
مُطلّا، مُنقّش، مُشبّک تمام
یہ کیا ہو، جو ہو دھوپ کا اُس میں نام
گرے[1] چھن کے واں اِس لطافت سے دھوپ
کہ زردی کا جوں زَعفراں پر ہو رُوپ

---

[1] یہ شعر نسخۂ فورٹ ولیم میں موجود نہیں۔

نہ آتش کا خطرہ، نہ باراں کا ڈر
نہ سردی نہ گرمی کا اُس میں خطر
جُدے اور مِلے سب کلوں کے مکاں
جہاں چاہیے، جا کے رکھ دیں وہاں
درخشندہ ہر سقف دالان کی
ہو دیوار جیسی چراغان کی
زمیں وھاں کی ساری جواہر نگار
اَدھر میں چمن، اور ہوا میں بہار
کسی کو ہو جس چیز کا اِشتیاق
نظر آوے وہ چیز بالائے طاق
جواہر کے ذی رُوح وحش و طُیور
خراماں پھریں صحن میں دور دور
پھریں دن کو سارے وہ حیوان ہو
کریں رات کو کام، انسان ہو
لگے ہر طرف گوہرِ شب چراغ
وہی دن کو گوہر، وہی شب، چراغ
بنائے ہوئے جالی باہم نہال
گُل و غُنچہ سب وھاں کے دُور از خیال
صدا آپ سے آپ گھڑیال کی
کہیں ناچ کی اور کہیں تال کی
رہے وھاں کے حُجروں کا جو در کھُلا
تو دُنیا کے باجوں کی آوے صدا
دگر بند کر دیجیے ایک بار
تو جوں ارغنوں، راگ نکلیں ہزار
مکانوں میں مخمل کا فرش و فروش
بہ خطِ سُلیمانی اُس پر نقوش
طلسمات کے پردے اور چلمنیں
ارادے پہ دل کے اُٹھیں اور گریں
خواصیں پری زاد اُس میں تمام
پھریں گرد گرد اُس پری کے مُدام
سرِ نہر بنگلا مرصّع نگار
سراپا بہ رنگِ گہر آب دار
رکھا شاہ زادے کا اُس میں پلنگ
کھلا حُسن سے اُس کے بنگلے کا رنگ

قَضارا کھُلی آنکھ اُس گُل کی جو
نہ پائی وہاں شہر کی اپنے بو
نہ وے لوگ دیکھے، نہ وہ اپنی جا
تعجب سے ایک ایک کو تک رہا
اَچنبھے کا یہ خواب دیکھا جو وہاں
لگا کہنے: یارب! میں آیا کہاں؟
زبس تھا وہ لڑکا، تو سہماں بھی کچھ
ہُوا کچھ دلیر، اور حیراں بھی کچھ
سرِھانے جو دیکھی مہِ چاردَہ
کہ ہے اجنبی سی وہ اک رشکِ مَہ
کہا: کون ہے تو؟ یہ کس کا ہے گھر؟
لے آیا مجھے کون گھر سے اِدھر؟
پھرا مُنہ کو، اور لے اُدھر سے نقاب
دیا اُس پری نے یہ ہنس کر جواب
خُدا جانے تو کون، میں کون ہوں!
مجھے بھی تعجّب ہے، میں کیا کہوں
پر اب تو، تو مہمان ہے میرے گھر
لے آئی ہے تجھ کو قضا و قَدر
یہ گھر گو کہ میرا ہے، تیرا نہیں
پر اب گھر یہ تیرا ہے، میرا نہیں
ترے عشق نے مجھ کو شَیدا کیا
ترا غم مرے دل میں پیدا کیا
چھُڑا کر ترا تجھ سے شہر و دِیار
یہ بندی ہی لائی ہے تقصیر وار
پری ہوں میں، اور یہ پرستان ہے
یہاں سب یہ قومِ بنی جان ہے
کہاں صورتِ جن، کہاں شکلِ اِنس
غرض قہر ہے صحبتِ غیرِ جنس
پری کو ہوئی شادی، اُس مَہ کو غم
پہ لاچار کیا کر سکے وہ صنم
کبھی یوں بھی ہے گردشِ روزگار
کہ معشوق، عاشق کے ہو اِختیار
بہ جبراً دل اپنا لگایا وہاں
کہا اُس نے جو کچھ، کہا اُس کو، ہاں

ولیکن نہ عقل و نہ ہوش و حواس رہے وحشیوں کی طرح وہ اُداس
کبھی اشک آنکھوں میں بھر لائے وہ کبھی سانس لے کر کہے ہائے وہ
وہ محلوں کی چُہلیں، وہ گھر کا سماں رہے روبرو دھیان میں ہر زماں
وہ شفقت جو ماں باپ کی یاد آئے تو راتوں کو رُو رُو کے دریا بہائے
کبھی اپنی تنہائی پر غم کرے کبھی اپنے اوپر دُعا دم کرے
کرے یاد جب اپنے نازو نِعَم فُغاں زیرِ لب وہ کرے دم بہ دم
بہانے سے دن رات سُویا کرے نہ ہو جب کوئی، تب وہ رُویا کرے
غرض اِضطِراب اُس کو ہر حال میں کہ جوں مُرغ تڑپھے نیا، جال میں
غرض ماہ رُخ اُس پری کا تھا نام پدر سے کیا تھا یہ پوشیدہ کام
کبھی گھر میں رہتی، کبھی رہتی وہاں کہ تا، راز اُس کا نہ ہووے عَیاں
وہ پریوں میں ازبس کہ تھی ذِی شعور نئی چیز لاتی تھی اُس کے حُضور
عجائب غرائب پرِستان کے دکھاتی تھی ہر شب اُسے آن کے
نئے کھانے اور میوے اَقسام کے مُہیا سب اسباب آرام کے
نئی کشتیاں روز پُوشاک کی خوشامد سدا جانِ غمناک کی
نئے سانگ ڈھال کے، نئے راگ رنگ کہ تا دل لگے اور نہ ہو جی بہ تنگ
شرابوں کے شیشے چُنے طاق میں گزک وہ کہ نکلے نہ آفاق میں
شراب و کباب و بہار و نگار جوانی و مستی و بوس و کنار

نہ تھا اور کچھ غم تو اُس کو وہاں
بغیر از غمِ دُوریِ دوستاں
اُسی غم سے گھُل گھُل کے مرتا تھا وہ
سدا شمع ساں آہ کرتا تھا وہ
پری وہ جو تھی دل لگائے ہوئے
وہ بیٹھی تھی اُس کو اُڑائے ہوئے
وہ تھی نازنیں بھی بہت عقل مند
نہ کھُلنے سے کچھ اُس کے، ہوتی تھی بند
کہا ایک دن اُس نے: سُن بے نظیر!
مرے دام میں تو ہُوا ہے اَسیر
تو اِک کام کر، اِک پہر پھر کہیں
کیا کر ٹُک اِک سَیرِ روے زمیں
تو رُک رُک کے دل کو نہ کر اپنے بند
نہ پہنچے کہیں تیرے جی کو گزند
سرِ شام جاتی ہوں میں باپ پاس
اِکیلا تو رہتا ہے اِس جا اُداس
یہ گھوڑا میں دیتی ہوں کل کا تجھے
ولیکن یہ دے تو مُچلکا مجھے
کہ گر شہر کی طرف جاوے کہیں
وَیا، دِل کسی سے لگاوے کہیں
تو پھر حال ہو جو گُنہ گار کا
وہی حال ہو تجھ سے دِل دار کا
کہا: کیونکے میں تم کو جاؤں گا بھول
مجھے، جو کہا تم نے، سو سب قبول
کہا ماہ رُخ نے کہ تھے تیرے بخت
کہ بخشا تجھے میں سُلیماںؑ کا تخت
جو اُترے، تو کل اِس کی یوں جوڑیو
جو برعکس چاہے، تو وُوں موڑیو
زمیں سے لگا اور تا آسماں
جہاں چاہیو، جائیو تو وہاں

داستان گھوڑے کی تعریف میں

کہوں کیا میں اُس اسپ کی خوبیاں
پرندوں میں کب ہوں یہ محبوبیاں

ذرا کَل کے مُوڑے، فلک پر ہُوا
جو کہیے تو کہیے اُسے بادپا
نہ کھاوے، نہ پیوے، نہ سووے کبھی
نہ ٹاپے، نہ بیمار ہووے کبھی
نہ خشری، نہ گمری، نہ شب کُور وہ
نہ وہ کُہنہ لنگ، اور نہ مُنہ زور وہ
نہ ہڈّوں کا، نے موتروں کا خلل
نہ پیشانی اور پرستامے کا بَل
نہ سایَن، نہ ناگن، نہ بھونری کا ڈر
ہر اک عیب سے وہ غرض بے خطر
یہ گھوڑا جو اِس کُل کے تھا بخش کا
فلک سَیر تھا نام اُس رَخش کا
سرِ شام وہ بے نظیرِ جہاں
اُسی رَخش پر ہو کے جلوہ کُناں
ہر اک طرف سے ہو گزرتا تھا وہ
وہی اِک پہر سَیر کرتا تھا وہ
پہر جب کہ بجتا، تو پھرتا شتاب
کہ پھر قہر تھا ماہ رُخ کا عتاب

داستان وارد ہونے میں بے نظیر کے بدرِ منیر کے باغ میں اور شاہزادی کے عاشق ہونے میں

کدھر ہے تو اے ساقیِ شوخ رنگ!
کہ آیا ہوں میں بیٹھے بیٹھے بہ تنگ
پلا مجھ کو دارو کوئی تیز و تُند
کہ ہوتا چلا ہے مرا ذہن کُند
مرے توسنِ طبع کو پر لگا
مجھے یہاں سے لے چل فلک پر اُڑا
سُنو ایک دن کی یہ تم واردات
اُٹھا سَیر کو بے نظیر ایک رات
ہوا ناگہاں اُس کا اک جا گزر
سُہانا سا اک باغ آیا نظر

سفید ایک دیکھی عمارت بلند
کہ تھی نُور میں چاندنی سے دوچند
وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جا بہ جا
وہ جاڑے کی آمد، وہ ٹھنڈی ہَوا
وہ نکھرا فلک، اور مَہ کا ظہور
لگا شام سے صُبح تک وقتِ نور
یہ عالَم جو بھایا، تو کوٹھے پہ آ
اُتر اپنے گھوڑے سے اور سر جُھکا
لگا جھانکنے اُس مکاں کے تئیں
کہ دیکھوں تو، یہاں کوئی ہے یا نہیں
جو دیکھے تو ایسا کچھ آیا نظر
کہ سب کچھ گیا اُس کے جی سے اُتر
کہا جی سے، اب تو جو کچھ ہو سو ہو
ذرا چل کے اِس سَیر کو دیکھ لو
یہ کہہ، نیچے اُترا دبے پانْو وہ
نظر سے بچائے ہوئے چھانْو وہ
الگ کھول ہاتھوں سے وہاں کا کواڑ
چلا سایہ سا یہ درختوں کی آڑ
تھے اک طرف گُنجان باہم درخت
کہ لپٹے ہوں جس طرح مُشتاق سخت
لگا وہاں سے چھپ چھپ کے کرنے نظر
درختوں سے جوں ماہ ہو جلوہ گر
جو دیکھے تو صُحبت عجب ہے وہاں
عجب چاندنی ہے، عجب ہے سَماں
عجب صُورتیں، اور طُرفہ مَحَل
چلا، دیکھتے ہی، دل اُس کا نکل
ملی جنس کی اُس کو جو اپنی بو
لگا تکنے حیرت سے حیران ہو
نظر آئی وہاں چاندنی کی بہار
کہ آنکھوں نے کی خیرگی اِختیار
در و بام یک لخت سارے سفید
ہر اک طاق، محراب، صبحِ اُمید
مُعَرَّق زمیں پر تمامی کا فرش
جھلک جس کی لے فرش سے تا بہ عرش

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

زمیں کا طَبَق، آسماں کا طَبَق
سُنہری، رُپہری ہو جیسے ورق
بلوریں دھرے ہر طرف سنگِ فرش
کہ جس سے مُنوّر رہے رنگِ فرش
گئی اُس کے عالَم پہ جس دم نگاہ
اور آیا نظر اُس کو اک رشکِ ماہ
طرح اُس کی، ہر دل کی مانوس تھی
کہ گویا وہ شیشے کی فانوس تھی
کہیں، دیکھ اُس کے تئیں ہوش مند؛
پری کو کیا ہے گا شیشے میں بند
ہر اک سمت واں نور کا اِزدِحام
لگے آئنے قدِ آدم تمام
لپیٹے ہوئے بادلوں سے درخت
زمین و ہَوا، صاحبِ تاج و تخت
مُلبّب وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر
پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں لہر
لبِ نہر پر صاف جو غَور کی
تو پٹری تھی وہ ایک بِلّور کی
پڑے اُس میں فُوّارے چُھٹتے ہوئے
ہَوا بیچ موتی سے لُٹتے ہوئے
مُقرّض پڑا اُس میں مُقَیّش جو
گرا ماہ دھاں رشک سے پُرنے ہو
لیے گود مُقَیّش چُھوٹے بڑے
سبھی مہ، تارے اُڑا دیں کھڑے
غرض اپنی صنعت سے تاروں کو توڑ
زمیں کو فلک کا بناتے تھے جوڑ
ہَوا میں وہ جگنو سے چمکیں بہم
ملیں جلوۂ مہ کو زیرِ قدم
فقط چاندنی میں کہاں طَور یہ
کہ طُرّہ نہ جب تک ملے اور یہ
زمانہ زر افشاں، ہَوا زر فشاں
زمیں سے لگا تا سَما زر فشاں
گُل و غُنچہ، نسرین و تاجِ خُروس
زمینِ چمن سب، جبینِ عَروس

خراماں زَری پوش ہر ماہ وش
کریں دیکھ کر مہر و مہ جن کو غَش
کھڑا ایک نمگیرۂ زر نِگار
کہ تھے جس کی جھالر پہ موتی نثار
جَڑاؤ وہ اِستادے اَلماس کے
ڈھلے ایک سانچے کے، اک راس کے
کھنچی ڈور ہر طرف زرتار کی
لڑی جوں کِناری کے ہوں ہار کی
کہوں کیا میں جھالر کی اُس کی پھبن
کہ سورج کے ہو گرد جیسے کرن
مُغرّق بچھی مسند اک جگمگی
کہ تھی چاندنی جس کے قدموں لگی
نہ پھُولے سماتے تھے تکیے دھرے
کہ تھے وے فقط حُسن ہی سے بھرے
بِلوریں صُراحی، وہ جامِ بِلور
دل و دیدہ وقفِ تماشائے نور
زمیں نور کی، آسماں نور کا
جدھر دیکھو ادھر سماں نور کا
چمن سارے داؤدیوں سے بھرے
جوانانِ شبّو کے ہر جا پَرے
ستاروں کا مہتاب میں حال یوں
کہ چونے میں پانی کے قطرے ہوں جوں
اگر کیجیے سایے اوپر نگاہ
تو ہے وہ بھی جوں سایۂ مہر و ماہ
کرے ہے نگہ جس طرف کو گزر
بہ جُز نور، آتا نہیں کچھ نظر
کرے کون سے حُسن کو اِنتخاب
ہر اک آئنے میں وہی ماہتاب
نظر جس طرف جائے نزدیک و دور
اسی ایک مہ کا ہے ہر جا ظہُور
نکل اپنی وحدت سے، کثرت میں آ
وہی نور ہے جلوہ گر جا بہ جا
نئے رنگ سے ہر طرف ماہتاب
وہی ایک نکتہ کہ جس کی کتاب

حقیقت کی لیکن بَصارت بھی ہو
کہ دیکھے نہ اُس کے سوا غیر کو

داستان بدرِ منیر کی تعریف میں

گلابی مرے سامنے ساقیا
مہِ چار دہ کو دکھا کر پلا
کہ دیکھے سے ہو جس کے، دل کو سُرور
نظر کام کر جائے نزدیک و دور
کروں اُس مکاں کی مکیں کا بیاں
کہ ہے بعدِ خاتم، نگیں کا بیاں
وہ مسند جو تھی موجِ دریائے حُسن
وہاں دیکھی اک مسند آرائے حُسن
برس پندرہ ایک کا سِن و سال
نہایت حسین اور صاحب جمال
دیئے کُہنی تکیے پہ اک ناز سے
سرِ نہر بیٹھی تھی انداز سے
خواصیں کھڑیں ایدھر اُودھر تمام
ستاروں کا جوں ماہ پر اِزدِحام
وہ بیٹھی تھی سَج دَھج بنائے ہوئے
دل اُس چاندنی پر لگائے ہوئے
اُدھر آسماں پر دَرخشندہ مہ
اِدھر یہ زمیں پر مہِ چاردہ
پڑا عکس دونوں کا جوں نہر میں
لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں
نظر آئے اتنے جو اک بار چاند
زمانے کے مُنہ کو لگے چار چاند
عجب طرح کا حُسن تھا جاں فزا
کہ مہ، رُو بہ رُو جس کے تھا ٹھیکرا
کہوں اُس کی پوشاک کا کیا بیاں
فقط ایک پشوازِ آبِ رواں
زبس موتیوں کی تھی سنجاف کُل
کہے تو، وہ بیٹھی تھی موتی میں تُل

اور اک اوڑھنی جوں ہوا یا حُباب
جسے دیکھ، شبنم کو آوے حجاب
صَباحت، صَفا اُس میں جھلکی ہوئی
پڑی سر سے کاندھے پہ ڈھلکی ہوئی
گریباں میں تکمہ اک الماس کا
ستارہ سا مہتاب کے پاس کا
زہ کُرتی، وہ اَنگیا جواہر نگار
نیا باغ اور ابتدا کی بہار
وہ چھَب تختی اور اُس کی کُرتی کا چاک
تَرَاقے کی اَنگیا کسی ٹھیک ٹھاک
جھمک پائجامے کی دامن سے یوں
نظر آئے آئینے میں برق جوں
صفائی یہ پوشاک کی دیکھیو
نظر سُوچ میں ہے کہ مَیلی نہ ہو
وہ ترکیب اور چاند سا وہ بدن
وہ بازو پہ ڈھلکے ہوئے نَوَرتن
جَڑاؤ وہ بالے کہ ہالے کا رشک
وہ موتی کے مالے کہ عاشق کا اشک
وہ آنکھوں کی مستی، وہ مژگاں کی نوک
کرن پھول کی اور بالے کی جھوک
وہ موتی کا دُلڑا، وہ موتی کا ہار
سدا اشکِ غم دیدہ جس پر نثار
لگا دُھکدُھکی، پچ لڑا، ست لڑا
سراسر گلے حُسن اُس کے پڑا
جَڑاؤ دمکتی وہ چمپا کلی
رہے جس سے الماس کو بے کلی
تلے اُس کے مُوتی لگے گردِ گُل
کہ جوں شبنم آلودہ ہو برگِ گُل
جہانگیریوں کا کروں کیا بیاں
کہ اُٹھتا تھا ہاتھوں سے اُس کے نغاں
جواہر سے مینے کی ہیکل جڑی
کمر اور کولے کے نیچے پڑی
فقط مُوتیوں کی پری پائے زیب
کہ جس کے قدم سے گُہر پائے زیب

کسی کے کہاں ہاتھ وہ پانو آئے
جواہر جہاں پانو پڑ پڑ کے جائے
سراپا اگر ہو زباں، میرا تَن
سراپا میں اُس کے کروں کیا سُخَن
سب اَعضا بدن کے مُوافق، دُرُست
ہر اک کام میں اپنے چالاک و چُست
جہاں راستی چاہیے، راستی
کجی جس جگہ چاہیے، وہاں کجی
وہ مُکھڑا، جسے دیکھ، مہ داغ کھائے
وہ نقشا کہ تصویر کو حَیرت آئے
جو کچھ چاہیے ٹھیک نکھ سکھ سے آنگ
نَزاکت بھرا سیوتی کا سا رنگ
کچھ اک تمکَنت اور کچھ اک بانکپن
غرض ہر طرح میں اَنُوٹھی پھَبَن
کرشمہ، ادا، غمزہ ہر آن میں
غرض دلبری اُس کے فرمان میں
تَغافُل، حیا، ناز و شوخی، غُرور
ہر اک اپنے موقعے سے وقتِ ضرور
تبسُّم، تکلُّم، ترحُّم، ستم
مُوافق ہر اک حوصلے کے کرم
وہ ابرو کہ محرابِ اَیوانِ حُسن
جُھکی شاخِ نخلِ گلستانِ حُسن
نگہ: آفت و چشم: عَینِ بَلا
مِژہ، دے صفوں کو اُلٹ برَملا
دُرِ گوش جب اُس کا تابندہ ہو
صَدَف کا دلِ صاف شرمندہ ہو
وہ بینی کہ جس کی نہیں کچھ نظیر
ہے اَنگشتِ قُدرت کی سیدھی لکیر
وہ رُخسارِ نازک، کہ ہو جائے لال
اگر اُس پہ بوسے کا گزرے خیال
نہیں رُطب و یابس کا یہاں کچھ حساب
بَیاضِ گُلو سب کی سب اِنتخاب
وہ ساعِد، وہ بازو بھرے گول گول
برابر ہو اَلماس کے جس کا مول

وہ دستِ حنا بستہ، خوبی کے باب
شفق میں ہو جوں پنجۂ آفتاب
زبس مثلِ آئینہ تھا اُس کا تن
کہے تو کہ تھی ناف، عکسِ ذقن
کمر کو کہوں کیونکے میں اُس کی ہیچ
نہ آوے نظر، تو ہے قسمت کا پیچ
وہ زانو کہ آجائے گر اُس پہ ہاتھ
تو پھر عمر بھر ہاتھ زانو کے ساتھ
وہ ساقِ بلوریں، وہ اندازِ پا
پھرے ہر سحر چشم و دل میں سدا
قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام
قیامت کرے جس کو جھک کر سلام
وہ اٹکھیلیاں اور اُس کی وہ چال
کہ دل جس سے عالم کا ہو پاے مال
بنا کبک کیسی ہی گو چال لائے
کہاں، پر، وہ رفتار کو اُس کی پائے
الگ چال اُس کی کوئی کیا چلے
یہ انداز سب اُس کے پاؤں تلے
عجب پُشتِ پا، صاف انگشتِ پا
کفِ پا دکھاوے سرِ پُشتِ پا
مُغرّق جواہر سے اک جفتِ کفش
نہ وہ مُفتِ پا، بلکہ پا مُفتِ کفش
یہ قُدرت کا دیکھا جو اُس نے خیال
کہا شاہزادے نے یا ذوالجلال!
درختوں سے وہ دیکھتا تھا نہاں
کسی کی نظر جا پڑی ناگہاں
جو[1] دیکھے، تو ہے اک جوانِ حسیں
درختوں کی ہے اوٹ، ماہِ مبیں
یہ چرچا جو پھیلا، تو ظاہر ہوا
ہر اک حال سے اُس کے ماہر ہوا
یہ سُن ایک سے ایک، دوڑا سب کی سب
بکھریں برگِ گُل کی طرح، غنچہ لب
جو دیکھیں، تو شُعلہ سا روشن ہے کچھ
درختوں کا روشن سا آنگن ہے کچھ

---

[1] یہ شعر نسخۂ فورٹ ولیم میں نہیں۔

کسی نے کہا: کچھ نہ کچھ ہے بَلا
کسی نے کہا: چاند ہے یاں چھپا
کسی نے کہا: ہے پَری یا کہ جن
کسی نے کہا: ہے قیامت کا دن
لگی کہنے، ماتھا کوئی اپنا کوٹ
ستارا پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ
ہوئی صُبح، شب کا گیا اُٹھ حجاب
درختوں میں نکلا ہے یہ آفتاب
کسی نے کہا: دیکھیو اے بُوا!
کھڑا ہے کوئی صاف یہ مَردُوا
کسی نے کہا: یہ تو دل دار ہے
کسی نے کہا: کچھ یہ اَسرار ہے
یہ آپس میں باتیں جو ہونے لگیں
اشاروں سے گھاتیں جو ہونے لگیں
گئی بات یہ شاہ زادی کے گوش
یہ سُنتے ہی، جاتا رہا اُس کا ہوش
کہا: میں تو دیکھوں، یہ کہہ کر اُٹھی
گیا سَنسنا جی، تو وہ کر اُٹھی
خواصوں کے کاندھے پہ دھر اپنا ہاتھ
عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ
کچھ اک خوف سے ہَول کھاتی ہوئی
دھڑک اپنے دل کی دِکھاتی ہوئی
کئی حمد میں تھیں جو کچھ کچھ پڑھیں
دُعائیں وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھیں
گئیں جب وے کر کے دل اپنا کرخت
وہاں جس جگہ تھے وے باہم درخت
لگیں جھانکنے سب کی سب وے شریر
یکایک نظر واں پڑا بے نظیر
جو دیکھیں، تو ہے اک جوانِ حَسیں
کھڑا ہے وہ آئینہ ساں مہ جبیں
برس پندرہ یا کہ سولہ کا سِن
مُرادوں کی راتیں، جوانی کے دن
[ل] سرکنے کی واں سے نہ جاگہ، نہ ٹھانو
دیے حیرتِ عشق نے گاڑ پانو

[ل] یہ شعر نسخۂ فورٹ ولیم میں موجود نہیں۔

ہوئی پُشتِ لب سے مَسوں کی نمود
بنا آتشِ لعلِ شیریں کا دُود

گلے میں پڑا نیمہ شبنم کا ایک
بدن سے عیاں نور عالم کا ایک

تمامی کی سِنجاف جلوہ کُناں
کہ جوں عکسِ مہ زیرِ آبِ رواں

طرح دار اک سر پہ پھینٹا سجا
تمامی کا پٹکا کمر سے بندھا

عجب پیچ سے پیچ بیٹھے تھے بل
کہ ہر پیچ پر پیچ کھاتا تھا دل

جواہر کا تُکمہ گلے میں لگا
ستارہ ہو جوں صُبح کا جگمگا

وہ موتی کی لٹکن، زمرّد کی ہر
لٹک جس کی زیبندہ دستار پر

وہ گورا بدن صاف ترکیب دار
بھرے ڈنڈ پر نورتن کی بہار

اک الماس کی ہاتھ انگشتری
سراسر حنا دست و پا میں لگی

عیاں چُستی و چابُکی گات سے
نمودِ جوانی ہر اک بات سے

بدن آئنہ ساں دمکتا ہوا
گُلِ باغِ خوبی لہکتا ہوا

اکڑ زُلف کی، اور کاکُل کا بَل
جوانی کی شب کا سماں برمحل

قیافے سے ظاہر سراپا شعور
جبیں پر برستا شجاعت کا نور

دلے، عشق کی تیغ کھائے ہوئے
کھڑا، دل کسی پر لگائے ہوئے

یہ دیکھا جو عالم تو غش کر گئیں
وہ جتنی کہ آئیں تھیں، سو مر گئیں

شتابی سے جا کر کہا وھاں کا حال
کہ اے شاہزادیِ صاحب جمال!

عجب سیر ہے سیرِ مہتاب میں
یہ عالم تو دیکھا نہیں خواب میں

کہے سے ہمارے نہ مانو گی تم
جو دیکھو گی آنکھوں، تو جانو گی تم
اُٹھا پائے گُل گوں کو جلدی نگار!
نہ جاوے کہیں ہاتھ سے یہ بہار
نہیں، اور کچھ تم نہ کیجو ہراس
چلی آؤ ٹک اِن درختوں کے پاس
گئی اُس جگہ جب یہ بدرِ مُنیر
اور اُس نے جو دیکھا شہِ بے نظیر
گئے دیکھتے ہی سب آپس میں مِل
نظر سے نظر، جی سے جی، دل سے دل
غرض بے نظیر اور بدرِ مُنیر
گرے دونوں آپس میں ہو کر اسیر
رہی کچھ نہ تَن مَن کی سُدھ بُدھ اُسے
نہ کچھ اپنے تَن کی رہی سُدھ اُسے
تھی ہمراہ ایک اُس کے دُختِ وزیر
نہایت حَسین اور قیامت شریر
زبس تھی ستارہ سی وہ دِل رُبا
اُسے لوگ کہتے تھے نجمُ النّسا
شتابی سے لا اُس نے چھِڑکا گُلاب
تب آئی تنوں میں ذرا اُن کے تاب
وہ اُٹھتے تو اُٹھی، پہ حیران سی
گُلِ شبنم آلودہ گریان سی
وہ شہ زادۂ دل شُدہ تو ٹھٹک
وہیں رہ گیا نقشِ پا سا بھچک
کہ وہ نازنیں کچھ جھجک، مُنہ چھپا
کمر اور چوٹی کا عالَم دِکھا
چلی اُس کے آگے سے مُنہ موڑ کر
وہیں نیم بسمل اُسے چھوڑ کر
وہ گُدّی وشانے، وہ پُشت و کمر
وہ چوٹی کا کولے پہ آنا نظر

داستان زُلف اور چوٹی کی تعریف و صحبتِ اوّل کے بیان میں

پلا ساقیا ساغرِ مُشک بو
کہ ہے مجھ کو در پیش تعریفِ مو

سرِ شام سے وے یہاں تک خراب
کہ مستی میں دیکھیں رُخِ آفتاب
کروں اُس کے بالوں کا کیا میں بیاں
نہ دیکھا کسی رات میں یہ سماں
وہ زُلفیں کہ دل جس میں اُلجھا رہے
اُلجھنے سے جی جن کے سُلجھا رہے
وہ کنگھی وہ چوٹی کھنچی صاف صاف
کناری کا پیچھے چمکتا مُباف
کہوں اُس کی خوبی کا کیا رنگ ڈھنگ
کہ جوں آخری شب ہو جھمکے کا رنگ
نُمایاں تھی یوں اُوڑھنی سے جھلک
کہ جوں ابر میں برق کی ہو چمک
مُبافِ زری نے کیا ہے غضب
دیا ہے گرہ دن کو، دُنبالِ شب
سنگاروں میں گو سب سے ہے وہ اُتار
یہ کہتے ہیں چوٹی کا اُس کو سنگار
نہ ہو کیونکے چوٹی کا رُتبہ بڑا
کہ اک نور ہے اُس کے پیچھے پڑا
گُل و سُنبل اُس پر سے قرباں ہے
کہ اُس کی لٹک میں عجب آن ہے
لڑی تھی زبس سحر سے اُس کی سانٹھ
شب و روز کو دے رکھا اُس نے گانٹھ
ولے، ہاتھ آتا ہے اُس کا کٹھن
کہ ہے فی الحقیقت وہ کالے کا مَن
اُلٹ کر نہ دیکھے اُسے ہوشیار
کہ وہ اک ستارہ ہے دُنبالہ دار
وہ پیٹھ اُس کی شفّاف آئینہ سال
تس اوپر وہ چوٹی کا پڑنا وہاں
کہوں اُس کے عالم کا کیا ماجرا
کہ جوں ہووے دریا پہ کالی گھٹا
بھری تھی دلوں سے زبس اُس کی مانگ
بہت دل لیے اُس سے کنگھی نے مانگ
دلِ عاشق اُس پر سے قربان ہے
کہ مشّاطہ کا سر پہ احسان ہے

کشاکش میں تھا ورنہ جینا تو ہیچ
بھلے کو رکھا اُس نے ڈھیلا ہے پیچ
غرض حُسن کا اُس کے ہے سب یہ بھید
جو چاہے کرے وہ سیاہ و سفید
کرے سُرخ جو کوئی اُس میں مُباف
کرے خونِ دل اپنا اُس کو مُعاف
کیا قتل گو اُس نے دل کو، تو کیا
شفق کا، نہیں شام پر خوں بہا
کہاں تک کہوں اُس کی چوٹی کی بات
کہ تھوڑا ہے سانگ اور بڑی ہے یہ رات
دیا شِعر کو گرچہ ہر بار طول
ولیکن یہ ہو عرض میری قبول
بہت مو شگافی جو کی میں نے یہاں
گھٹانے کی جاگہ نہ تھی درمیاں
رَسن اوپر جو پوری نہ بیٹھی مثال
ہوئی ہے مری فکر، مجھ پر وَبال
اب اِس زیچ سے باہر آتا ہوں میں
سماں ایک تازہ سُناتا ہوں میں
غرض وہ مُڑی جب، دِکھا اپنے بال
تو گویا کہ مارا محبت کا جال
ادائیں سب اپنی دِکھاتی چلی
چھپا مُنہ کو اور مُسکراتی چلی
غضب مُنہ پہ ظاہر، ولے دل میں چاہ
نہاں، آہ آہ اور عیاں، واہ واہ
یہ ہے کون کم بخت آیا جو یہاں!
میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں!
یہ کہتی ہوئی، آن کی آن میں
چھپی جا کے اپنے وہ دالان میں
دیا ہاتھ سے چھوڑ پردہ شتاب
چھپا ابرِ تاریک میں آفتاب
کہ اِتنے میں آئی وہ دُخترِ وزیر
فسوں پڑھ کے بولی کہ: بدرِ مُنیر!
مجھے چوچلے تو خوش آتے نہیں
ترے نازِ بے جا یہ بھاتے نہیں

مری طرف ٹک دیکھ تو ہائے ہائے   مَثَل ہے کہ، مَن بھائے، مُنڈیا ہلائے
کیا ہے اگر تو نے گھائل اُسے   تو مت چھوڑ اب نیم بسمل اُسے
ٹک اک حظ اُٹھا زندگانی کا تو   مزہ دیکھ اپنی جوانی کا تو
مےِ عَیش کا جام اب نُوش کر   غمِ دین و دُنیا فَراموش کر
یہ حُسن و جوانی، یہ جوش و خروش   غَفور ست اِیزد، تو ساغر بنُوش
کہاں یہ جوانی، کہاں یہ بہار   یہ جُوبن کا عالم بھی ہے یادگار
سدا عَیش دَوراں دِکھاتا نہیں   گیا وقت، پھر ہاتھ آتا نہیں
سبھی یوں تو دُنیا کے ہیں کاروبار   وِلے، حاصِلِ عُمر ہے وصلِ یار
خوشا وہ زمانہ کہ دو اک جگہ   کریں یک دِگر جلوۂ مِہر و مہ
کہاں چاہ والے ہیں یوسف، عزیز   اری باولی! چاہ میں کر تمیز
ترے گھر میں آیا ہے مہماں غرِیب   یہ ہے وارداتِ عجیب و غریب
شِتابی سے مجلس کو تیّار کر   تو اِس گُل سے، گھر رشکِ گُلزار کر
بُلا ساقیانِ گُل اندام کو   نگہ ساتھ، گردِش میں لا جام کو
شب و روز پی مل کے جامِ شراب   مہ و مہر کو رشک سے کر کباب
یہ سُن سُن کے، وہ نازنیں مُسکرا   لگی کہنے: اچھّا، بھلا ری بھلا!
میں سمجھی، ترا جی گیا ہے اُدھر   بہانے تو کرتی ہے کیوں مجھ پہ دھر
لگی کہنے ہنس ہنس کے وہ ماہ وش: ہوئی تھی اُسے دیکھ میں ہی تو غش

مجھی پر تو چھڑکا تھا تم نے گلاب
بھلا میری خاطر بلاؤ شتاب
یہ آپس میں رمزوں کی باتیں ہوئیں
اشاروں کی باہم جو گھاتیں ہوئیں
بلا لائی جا اُس جواں کے تئیں
کیا میزباں، میہماں کے تئیں
بلا، اک مکاں میں بٹھایا اُسے
محل کا سماں سب دکھایا اُسے
پھر اُس نازنیں کا پکڑ اُس نے ہاتھ
بٹھایا ہی لا آخر اُس گُل کے ساتھ
پلا ساقیا مجھ کو صہبائے عیش
ملی ہے نصیبوں سے یہاں جائے عیش
بہم مل کے بیٹھے ہیں وہ رشکِ مہ
قرانِ مہ و مہر ہے اِس جگہ
ہر اِک برج، رشکِ گلستاں ہے آج
بہارِ وصالِ غریباں ہے آج
بہ زور اُس کو لا کر بٹھایا جو واں
نہ پوچھ اُس گھڑی کی ادا کا بیاں
وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے
بدن کو چُرائے ہوئے ناز سے
مُنہ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے
لجائے ہوئے، شرم کھائے ہوئے
پسینا پسینا ہوا سب بدن
کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن
گھڑی دو تلک وہ مہ و آفتاب
رہے شرم سے پائے بندِ حجاب
اُنھوں کے رُکے بیٹھنے سے، خفا
ہوئی دل میں اپنے وہ نجمُ النسا
گلابی کو لا اُس کے آگے دھرا
پیالے کو پھر جلد اُس نے بھرا
کہا شاہ زادی کو: بیٹھی ہے کیا
یہ پیالہ تو اِس بُت کے مُنہ سے لگا
ذرا میری خاطر سے ہنس بول تو
لبِ لعلِ شیریں کو ٹک کھول تو

میں صدقے ترے، تجھ کو میری قسم — کئی ساغر اِس کو پلا دم بہ دم
یہ دیکھ اُس کی منّت، پیالہ اُٹھا — اُدھر سے پھرا مُنہ کو، اور مُسکرا
کہا: بادہ نوشی سے ہو جس کو ذوق — پیے وہ پیالہ، نہیں اِس کا شوق
کہا شاہ زادے نے ہنس کر کے یوں: — پیوں میں کسی کے نہ ہونے سے کیوں
غرض ہو کے آپس میں راز و نیاز — پیے دو پیالے بہ صد اِمتیاز
پھر آخر کو شہ زادے نے بھی اُٹھا — دیا ساغر اُس مہ کے مُنہ سے لگا
جب آپس میں چلنے لگے جامِ مُل — مُندے غُنچہ ساں دل، کِھلے مثلِ گُل
ہوئی یک دگر پھر تو تفتیشِ حال — لگے ہونے آپس میں قال و مقال
کُھلا، بند جس دم درِ گُفتگو — جواں نے حقیقت کہی مو بہ مو
کہی اِبتدا سے جو گزری تھی سب — جتایا سب اپنا حَسَب اور نَسَب
پری کا بھی اَحوال ظاہر کیا — چھپے راز سے اُس کو ماہر کیا
کہا: اک پہر کی ہے رُخصت مجھے — زیادہ نہیں اِس سے فرصت مجھے
یہ سُن، دل ہی دل بیچ کھا پیچ و تاب — دیا شاہ زادی نے اُس کو جواب:
مرو تم پری پر، وہ تم پر مرے — بس اب تم ذرا مجھ سے بیٹھو پرے
میں اِس طرح کا دل لگاتی نہیں — یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں
میں سمجھی ہوں تم کو بہت دور ہو — چلو اب کہیں یہاں سے کافور ہو
عَبَث تم سے دل کیوں لگاوے کوئی — بھلے چنگے دل کو جلاوے کوئی

بہے شمع ساں کیوں کوئی اشک سے
جلے کس لیے آتشِ رشک سے
یہ سُن، پانْو پر گر پڑا بے نظیر
کہا: کیا کروں آہ بدرِ مُنیر!
کوئی لاکھ جی سے ہو مجھ پہ فدا
میں تجھ پہ فدا ہوں، مجھے اُس سے کیا
کہا: چل، بس اپنا قدم یہ نہ دھر
کسی کے مجھے دل کی کیا ہے خبر
یہ رمز و کنایے جو ہونے لگے
تو آپس میں ہنس ہنس کے رُونے لگے
رہی دل ہی میں آخرش دل کی بات
پہر بھر گئی اِتنے عرصے میں رات
خبر رات کی سن، اُٹھا بے نظیر
کہا: اب میں جاتا ہوں بدرِ مُنیر!
اگر قید سے چھوٹنے پاؤں گا
تو پھر آج کے وقت کل آؤں گا
یہ مت سمجھیو، ہوں میں آرام میں
کروں کیا، پھنسا ہوں عجب دام میں
دل اِس جا سے اُٹھنے کو کرتا نہیں
کوئی آپ سے جان مرتا نہیں
کرم مجھ پہ رکھیو ذرا میری جاں
میں دل چھوڑے جاتا ہوں اپنا یہاں
یہ کہہ، اُس طرف وہ روانہ ہوا
دل اِس طرف اِس کا دِوانہ ہوا
گیا اپنے معمول سے بے نظیر
اِدھر کا ہوا قیدی، اودھر اسیر
پری ساتھ کاٹی وہ جوں توں کی رات
اُٹھا صُبح، مَلتا ہوا اپنے ہات
سَماں شب کا آنکھوں میں چھایا ہوا
مزہ دل میں سارا سمایا ہوا
اُٹھے جو کوئی وصل کا دیکھ خواب
نہ ہو وصل اور دل کو ہو اِضطراب
نئی بات کا لُطف پانا غضب
وہ پہلے پہَل دل لگانا غضب

قلق دل پہ، یعنی کٹے روز کب
ملے مجھ سے شمعِ شب اَفروز کب
محبت میں زُلفِ سیہ فام کی
لگا دیکھنے راہ پھر شام کی
وہ دن، ہجر کا، روزِ شامت ہوا
اُسے کاٹنا دِن، قیامت ہوا
اِدھر کا تو اَحوال تھا اِس طرح
کہا میں نے، کر مختصر جس طرح
ولے اب سُنو تم اُدھر کا بیاں
ہُوا طرفِ ثانی پہ کیا حال وہاں
وہ شب اُس کو اندوہ و غم میں کٹی
گھڑی جو کٹی، سو اَلم میں کٹی
رہی صورت، آنکھوں میں جو یار کی
ہوئی یاد میں صُبح، رُخسار کی
پہ کچھ اُمید دل میں، کچھ اک جی کو یاس
لبوں پر ہنسی، لیک چہرہ اُداس
لگا اُس کو باتوں میں نجمُ النسا
لگی کہنے: جی چاہتا ہے مرا
کہ تو آج کر خوب اپنا سِنگار
مجھے حُسن کی اپنے دکھلا بہار
لگی کہنے: چل ری، دِوانی نہ ہو
کوئی چیز ابھی، بِگانی نہ ہو
کروں کس کی خاطر میں اپنا سِنگار
وہ ہے کون جس کو دکھاؤں بہار
غرض شاہزادی بہت دور تھی
یہ شکل اُس کو پہلے ہی منظور تھی
نہا دُھو کے اُس روز ایسی بنی
کہ دُو دن کی سچ مچ ہو جیسے بَنی
وہ مُکھڑے کا عالم، وہ کنگھی کا رنگ
شبِ ماہ ہو دیکھ کر جس کو دنگ
وہ مِسّی، اور اُس کے لبِ لعل فام
سَوادِ دِیارِ بَدخشاں کی شام
وہ آنکھوں کا عالم، وہ کاجل غضب
کہے تو، پڑی نرگستاں میں شب

ستم تس پہ سُرمے کی تحریر سی
کھنچی ہاتھ کافر کے شمشیر سی
گھُوٹا وہ پانوں کا مِسّی کے ساتھ
کہ جوں دامنِ شب، شفق کے ہو ہاتھ
وہ پشواز اک ڈانک کی جگمگی
ستاروں کی تھی آنکھ جس پر لگی
اور ایک اُوڑھنی جالی مُقَیَّش کی
پڑی چاندنی سی مہِ عَیش کی
جو دیکھے وہ اَنگیا جواہر نگار
فرشتہ مَلے ہاتھ بے اِختیار
وہ باریک کُرتی مثالِ ہَوا
عَیاں مو بہ مو جس سے تَن کی صفا
ڈَھلک سُرخ نیفے کی اُبھری ہوئی
گُلابی سی گرد ایک تہ دی ہوئی
جھلک پاںجامے کی دامن سے یوں
کہ روشن ہو فانوس میں شمع جوں
مُغرَّق زری کا وہ شلوار بند
ثُریّا سے تابندگی میں دوچند
پڑی پانو میں کفشِ زرّیں نگار
ستاروں کی جس کے، زمیں پر بہار
لگا پا سے، وہ نازنیں، تا بہ فرق
سراپا جواہر کے دریا میں غرق
گَٹھی ہوئی وہ ترکیب، اور وہ بدن
وہ پوشاک و زیور کی اُس پر پھبن
وہ چھب تختی اُس کی نزاکت نژاد
چمن زارِ قُدرت کا نَخلِ مُراد
بھری مانگ موتی سے جلوہ کُناں
نمایاں شبِ تیرہ میں کہکشاں
وہ ماتھے پہ ٹیکے کی اُس کے جھلک
سَحَر چاند تاروں کی جیسے چمک
ہوس ہو نہ دیکھ اُس کے زیور کو پھر
کہے تو کہ ٹیکا تھا سب اُس کے سر
وہ بالے کی تابندگی زیرِ گوش
جسے دیکھ، اُڑ جائیں بجلی کے ہوش

وہ ہیرے کا تُکمہ بہ صد آب و تاب
وہ صُبحِ گلو، مَطلَعِ آفتاب
وہ تُکمے پہ چمپا کلی کی پھَبَن
کہ سورج کے آگے ہو جیسے کرن
وہ چھاتی پہ اَلماس کی دُھکدُھکی
رہے آنکھ سورج کی جس پر جُھکی
وہ مُوتی کے مالے لَٹکتے ہوئے
رہیں دل جہاں سر پٹکتے ہوئے
وہ اَلماس کی ہیکل اک خوش نُما
تصوّر رہے جس کا دل سے لگا
وہ بُجّبند بازو کے اور نَورَتن
کہ جوں، گُل سے ہو شاخ، زیبِ چمن
وہ پہنچی زمُرّد کی اور دست بند
نزاکت میں تھے شاخِ گُل سے دوچند
وہ لعلوں کی پازیب آویزہ دار
سدا اشکِ خونیں ہو جس پر نثار
وہ مینے کے پاؤں میں چھلّے تھے گُل
کہ آنکھوں سے دِل اُن پہ کھاتے تھے گُل
وہ بالوں کی بو، رشکِ مُشکِ خُتَن
وہ ڈوبا ہوا عطر میں تن بدن
زمیں سے مُعطّر ہوا تا فلک
زمانہ گیا اُس کی بو سے مہک
کیا اِس طرح کا جب اُس نے سِنگار
ہوئے مہر و مہ اُس کے مُنہ پر نثار
فلک تک گئی حُسن کی اُس کے دھوم
لیا ہاتھ مَشّاطہ نے اپنا پہ چوم
خواصوں نے گھر کو دیا اِنتظام
تمامی کے پردے لگائے تمام
بچھا فرش، اور کر چھپر کھٹ کو صاف
مُرصّع کا اُس پر اُڑھا کر غلاف
وہ نرگس کے دستے، جو آفاق میں
نہ نکلیں، سو لاکر چُنے طاق میں
وِلایت کے میوے دھرے ہر طرف
کہ لے جاوے بو اُن کی گُل پر شرف

دھرے لخلخے جو اُس ایوان میں   ہَوا ہوگئی عطر دالان میں
دھریں کشتیاں اک طرف بے شمار   چُنی اک طرف ڈالیوں کی قطار
[۵۱] اَچار اور مُربّے دھرے خوش نُما   وہ باہر کے دالان میں جا بہ جا
چھپر کھٹ کے پاس ایک مسند بچھا   اور اُس پر تمامی کے تکیے لگا
پشنگیریں بنا اور رکھ پان دان   قرینے سے اُس میں رکھے ہار پان
مُرصّع کے تھے عِطر داں کئی دھرے   اَنوٹھی گھڑت کے کئی چوگھرے
سِرھانے مُجلّد دھری اک کتاب   ظہوری، نظیری کا کُل اِنتخاب
قلم دان بھی اک نزاکت بھرا   قرینے سے زیرِ چھپر کھٹ دھرا
دھری اک بیاض اور رشکِ چمن   پُر از شعرِ سودا و میر و حسن
دھرا اک طرف گنجفہ خوش قماش   دھری چوپڑ اک طرف کو غم تراش
بچھی ایک چوکی، پڑا تورہ پوش   کریں دیکھ کر غش جسے بادہ نوش
صُراحیّ و ساغر، شراب و کباب   دھرا اُس پہ ساقی نے کر انتخاب
وے اُس کو رکھا چھپائے ہوئے   کہ چِھپتے نہیں مُنہ لگائے ہوئے
کہا خاصہ بر کو خبر دار کر   کہ رکھیو تو خاصے کو تیار کر
یہ سب کچھ ہوا جب کہ آراستہ   خراماں ہوئی سروِ نوخاستہ

---

[۵۱] یہ شعر نسخۂ فورٹ ولیم میں موجود نہیں۔

سرِ شام، لے ہاتھ میں اک چھڑی
ولیکن چھڑی وہ کہ جگنو جڑی
روِش پر لگی پھرنے ایدھر اُدھر
کہ چھپ جائے سورج اُسے دیکھ کر

داستان دوبارہ بے نظیر کے آنے اور باہم بے تکلّف ملاقات کرنے کی

پِلا مجھ کو ساقی شرابِ وِصال
کہ اب ہجر سے تنگ ہے میرا حال
تڑپتا تھا اودھر جو وہ بے نظیر
ہوئی شام بارے، تو چھوٹا اسیر
پر اُس نے بھی اِتنا تکلُّف کیا
کہ اک دن میں جوڑے کو دھانی رنگا
تمامی کی سنجاف کر کے دُرست
بنا جلد جلد اور پہن تنگ و چُست
پہن لعل و یاقوت کے نورتن
وہ گُل اِس طرح ہو کے رشکِ چمن
فلک سیر پر ہو شتابی سوار
ہُوا آسماں پر ہوا ایک بار
یکایک جو وارِد ہوا اُس جگہ
کہ جس جا خراماں تھی وہ رشکِ مہ
نظر نازنیں کی جو اُس پر پڑی
ہوئی جا درختوں کے اوجھل کھڑی
کیا چھپ کے عالم پہ اُس کے جو دھیان
تو دیکھا عجب رنگ سے وہ جوان
کہ دھانی ہے جوڑا گلے میں پڑا
پچھپا سبزے میں، چاند سا ہے کھڑا
کہے تو کہ شب چاند نے آن کے
نکالا تھا مُنہ کھیت سے دھان کے
وہ حسن اور پوشاک اور وہ شباب
زمرّد میں جوں جلوۂ آفتاب

سماں دیکھ اُس شعلۂ سبز کا
ہوئی اور جلنے کی اُس کو ہوا

خواصیں جو تھیں، دم بہ خود جان کر
کہا ایک ہم راز نے آن کر

کہ اب کس طرف اِن کو لے جائیے
جہاں حکم ہو، جا کے بٹھلائیے

کہا: وہ جو آراستہ ہے مکاں
اِدھر سے تو دوں ہو کے، لے جا وہاں

کہے کے بہ موجب اُڑھا کر نقاب
چھپا اُس کو، لا کر بٹھایا شتاب

وہ بیٹھا جو خلوت میں آ بے نظیر
اور اِدھر سے آئی جو بدرِ منیر

اُسے دیکھ، اِس نے تو پھر غش کیا
لباس اور زیور سے اَش اَش کیا

زبس حوصلے نے جو تنگی سی کی
حیا، عشق نے خانہ جنگی سی کی

پکڑ ہاتھ، مسند پہ کھینچا اُسے
محبت کے رشتے میں اینچا اُسے

لگی کہنے: ہے ہے، مرا چھوڑ ہاتھ
یہ گرمی ہے جس سے، رہے اُس کے ساتھ

کہا[1]: ہائے پیاری! جلایا مجھے
رُکھائی نے تیری ستایا مجھے

اری ظالم! اک دم تو تو بیٹھ جا
ذرا میرے پہلو سے تکیہ لگا

تڑپتا ہے کب سے پڑا میرا دل
ذرا کھول آغوش اور مجھ سے مل

غرض آخرش بعدِ راز و نیاز
وہ مسند پہ بیٹھی بہ صد اِمتیاز

ہوا پھر جو صہبائے گُل گوں کا دور
ہوا اور ہی اور کچھ واں کا طور

---

[1] یہ شعر نسخۂ فورٹ ولیم میں موجود نہیں۔

ہوئے جب وُے بدمست دو ماہ رو
لگی ہونے اُن میں عجب گفتگو
کہ دستے جو نرگس کے تھے دھائی ہزار
لگے ڈھانپنے آنکھ بے اِختیار
خواصیں جو تھیں روبہ رو ہٹ گئیں
بہانے سے ہر کام کے بَٹ گئیں
غرض رفتہ رفتہ وہ مدہوش ہو
چھپر کھٹ میں لیٹے ہم آغوش ہو
لگے پینے باہم شرابِ وِصال
ہُوا نخلِ اُمّید سے وہ نہال
لبوں سے مِلے لب، دہن سے دہن
دِلوں سے مِلے دل، بدن سے بدن
مِلیں آنکھ سے آنکھ، خوش حال ہو
گئیں حسرتیں دل کی پامال ہو
لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ
چلے ناز و غمزے کے آپس میں ہاتھ
کسی کی گئی چُولی آگے سے چل
کسی کی گئی چین ساری نکل
غم و درد، دامن کشیدہ ہوئے
وہ گُل نارسیدہ، رسیدہ ہوئے
لیا کھینچ اُنھوں نے جو پردہ شتاب
چھپے ایک ہو، دو مہ و آفتاب
لگی ہونے بے پردہ جو چھیڑ چھاڑ
درِ حُسن کے کُھل گئے دو کواڑ
اُٹھے پی کے باہم شرابِ اُمید
کوئی سُرخ رو اور کوئی رو سفید
چھپر کھٹ سے باہر رکھ اپنے قدم
نکل آئے بھرتے محبّت کا دم
نشے سے وہ لذّت کے بے ہوش ہو
گئے بیٹھ مسند پہ خاموش ہو
عرق میں اِدھر غرق وہ مہ جبیں
کیے نیچی آنکھیں اُدھر نازنیں
یے بیٹھے تھے خوش ہو کے باہم اِدھر
کہ اِتنے میں اودھر سے باجا پہر

پہر کے وہ بجتے، اُٹھا بے نظیر
ہوئی غم کی تصویر بدرِ منیر
نہ بولی، نہ کی بات، نے کچھ کہا
نہ دیکھا اُدھر آنکھ اپنی اُٹھا
کہا: مجھ سے پیاری نہ بیزار ہو
پھر آؤں گا'. بولی کہ مختار ہو
خفا ہونے سے اُس کے، وہ نَوجواں
گیا تو، ولے، مُنہ پہ آنسو رواں
ہوئے دل جو دونوں کے آپس میں بند
لگے ہجر سے جی پہ آنے گزند
بندھا پھر تو معمول اُس کا مُدام
کہ ہر روز آنا اِدھر اُس کو شام
پہر رات تک ہنسنا اور بولنا
درِ عشق اور حُسن کو کھولنا
کبھی ہجر سے اُن کو ہونا ملول
کبھی وصل سے بیٹھنا پھول پھول

داستان پری کے دریافت کرنے کی

پلا جلد ساقی مجھے بھر کے جام
کہ ہے چرخ بھی درپئے اِنتقام
یہ دو دل کو اک جا بٹھاتا نہیں
کسی کا اِسے وصل بھاتا نہیں

یہ ہے دشمنِ وصل و دل سوزِ ہجر
کرے ہے شبِ وصل کو روزِ ہجر
جُدائی اُنھوں کی خوش آئی اِسے
یہ اُتنی بھی صحبت نہ بھائی اِسے

کسی دیو نے دی پری کو خبر
کہ معشوق، عاشق ہوا اور پر
یہ سُن کر، وہ شعلہ، بھبھوکا ہوئی
لگی کہنے: اَیں، یہ بلا کیا ہوئی!
قسم مجھ کو حضرت سلیمانؑ کی
ہوئی دشمن اب اُس کی میں جان کی

کہا دیو سے: دے مجھے تو بتا   کہا: وہ کسی باغ میں تھا کھڑا
کوئی نازنیں سی تھی اک اُس کے ساتھ   کھڑی تھی دیے ہاتھ میں اُس کے ہاتھ
قضارا، اُڑا میں جو ہو کر اُدھر   وہ دونوں مجھے وہاں پڑے تھے نظر
یہ اُڑتی سی اُس کی خبر سُن، پری   کہا: دیکھنے پاؤں اُس کو ذری
تو کھا جاؤں کچّا اُسے موت ہو   لگی ہے مری اب تو وہ سوت ہو
وہ آوے تو آگے مرے نابکار   گریباں کو اُس کے کروں تار تار
یہی قول و اِقرار تھا میرے ساتھ   بھلا، دامن اُس کا ہے اور میرا ہاتھ
ہمارے بزرگوں نے سچ ہے کہا   کہ ہیں آدمی زاد کُل بے وفا
غضب ناک بیٹھی تھی یہ تو اُدھر   کہ اِتنے میں آیا وہ رشکِ قمر
اُسے دیکھ غُصّے میں، وہ ڈر گیا   کہے تو، کہ جیتے ہی جی مر گیا
بلا سی وہ دیکھ اُس کے پیچھے لگی   کہا: سُن تو اے موذی و مُدّعی!
تجھے سیر کو میں نے گھوڑا دیا   کہ اُس مال زادی کو جوڑا دیا
الگ ہم سے یوں رہنا اور چھوٹنا   یہ اوپر ہی اوپر مزے لوٹنا
مُچلکا دیا تھا نہ تو نے یہی!   بھلا اُس کا بدلا نہ لوں، تو سہی
پھر اب جیسے راتوں کو دل شاد تو   کرے گا دِنوں کو بہت یاد تو
مزہ چاہ کا دیکھ اپنی ذرا   جھنکاتی ہوں کیسے کنوئیں، رہ بھلا
تجھے جی سے ماروں تو کیا اے غریب   ملے چاہتے تھے یہ تیرے نصیب

کہ چاہِ الم میں پھنساؤں تجھے
ہنسا ہے تو جیسا، رُلاؤں تجھے

یہ کہہ اور بُلا اک پری زاد کو
کہا: سُنیو اِس کی نہ فریاد کو

اِسے کھینچتا یھاں سے لے جا شتاب
وہ صحرا، جو ہے درد و محنت کا باب

کنواں اُس میں جو ہے مُصیبت بھرا
کئی من کا پتھر ہے اُس پہ دھرا

اِسے، جا کے اُس چاہ میں، بند کر
وہی سنگ پھر اُس کے مُنہ پر تو دھر

سرِ شام کھانا کِھلانا اِسے
اور اِک جام پانی پِلانا اِسے

نہ دیجو سوا اِس کے، جو کچھ کہے
یہی اِس کا معمول دائم رہے

گری اُس پہ جو آسمانی بَلا
دل اُس نازنیں کا ہَوا ہو چلا

یہ سُن، دیو اُس گُل کے نزدیک آ
پکڑ ہاتھ اُس کا، فلک پر اُڑا

ہوا یوں جو اُس بختِ واژوں کا اوج
چلی آہ و نالے کی، ساتھ اُس کے فَوج

کہا: دل! یہ رُتبہ جو کچھ آج ہے
یہی عشق کی جان معراج ہے

کیا بند پھر جا کے اُس چاہ میں
کنواں وہ جو تھا قاف کی راہ میں

وہ یوسف، کنویں میں ہوا جب کہ بند
ہوا اُس سے، پستی کا رُتبہ بلند

کُھلے اُس کنویں کے یکایک نصیب
کہ آیا وہ اُس میں مہِ دل فریب

مُنوّر وہ گھر اُس کا سارا ہوا
کنویں کی وہ پتلی کا تارا ہوا

اندھیرا پڑا تھا، سو روشن ہوا
شبِ تیرہ میں، سانپ کا مَن ہوا

ولے، پا تو جب اُس کا تہ پر گیا
کنواں، اُس کے اندوہ سے بھر گیا

زمیں میں سمایا تحیّر سے آب
گئے سوکھ آنسو کنوئیں کے شتاب
ہوا، وہاں سے اُوپر گئی کانپ کانپ
کنوئیں نے لیا سنگ سے مُنہ کو ڈھانپ
دل اُس نازنیں کا دھڑکنے لگا
جگر ٹکڑے ہو کر پھڑکنے لگا
اندھیرے اُجالے نہ نکلا تھا جو
ہُوا قید، آ اِس اندھیرے میں سو
اندھیرے نے اُس کا کیا دم خفا
کہ جوں، لے سیاہی کسی کو دَبا
نکلنے کی سوجھی نہ وہاں اُس کو راہ
ہُوا اُس کی آنکھوں میں عالم سیاہ
فُغاں کی بہت، اور پُکارا بہت
سر اپنے کو ہر طرف مارا بہت
پُکارا وہ جس تس کو فریاد کر
نہ پہنچا کوئی کارواں بھی اُدھر
نہ مُونس، نہ غم خوار اُس کا کوئی
نہ تھا جُز خُدا، یار اُس کا کوئی
وہی چاہِ تاریک، اُس کا رفیق
وہی سنگ سر پر، بجائے شفیق
ہوا بھی نہ وہاں، جس سے کچھ دھیان ہو
کنوئیں کی سُنے کون آواز کو
کنواں ہی مُدام اُس کا ہمدم رہے
جو اُس سے سُنے، وہ ہی اُس سے کہے
کنواں اُس کو پوچھے، وہ پوچھے اُسے
اندھیرے سوا کچھ نہ سوجھے اُسے
سیاہی میں جیسے وہ کافر کا دِل
کُدُورَت میں اُس سے جَہَنَّم خَجِل
نہ شب کی سیاہی، نہ وہاں دن کا نور
سَدا ظُلمتِ غم کا اُس جا ظہور
غم و دردِ اُلفت کو کھا کھا جیے
لہو پانی اپنا کنوئیں میں پیے
اِس اَندھیر کو کیا لکھوں اب میں آہ
قلم کے نکلتے ہیں آنسو سیاہ

نہ تھا وہ کنواں، تھا سُتونِ الم
نشانِ شبِ آفت و درد و غم
کروں مُختصَر یہاں سے اب غم کی بات
لگا رہنے اُس میں، وہ آبِ حیات
نہیں مُخلِصی سوجھتی اب اُسے
نکالے خُدا دیکھیے کب اُسے
پھنسا اِس طرح سے جو وہ بے نظیر
پڑی بے قراری میں بدرِ مُنیر
بہم دو دِلوں میں جو ہوتی ہے چاہ
تو ہوتی ہے دل کے تئیں دل سے راہ
قلَق وہاں جو گُزرا، تو یہاں غم ہوا
رُکا جی وہاں، یہاں خفا دَم ہوا
کئی دن جو آیا نہ وہ رشکِ ماہ
نظر میں ہوا اُس کی عالَم سِیاہ
لگی کہنے نجمُ النسا سے: بُوا!
خُدا جانے، اُس شخص پر کیا ہوا!
کہا اُس نے: بی! تم کو سَودا ہے کچھ
وہ معشوق ہے، اُس کو پروا ہے کچھ
خُدا جانے کس شغل میں لگ گیا
مِری چِڑ ہے اِتنا بھی ہونا فِدا
وہ رہ رہ کے تم کو دلاتا ہے چاہ
عَبَث آپ کو تم کرو مت تباہ
رُکے جو کوئی، اُس سے رُک جائیے
جُھکے آپ سے وہ، تو جُھک جائیے
تَفَوُّل بھلا کچھ نکالا کرو
ذرا آپ کو تم سنبھالا کرو
یہ سُن، چُپ رہی، دل میں کھا پیچ و تاب
دیا کچھ نہ اِس بات کا پھر جواب
گئے اُس پہ جب دِن کئی اور بھی
بگڑنے لگے پھر تو کچھ طَور بھی
دِوانی سی ہر طرف پھرنے لگی
درختوں میں جا جا کے گرنے لگی
ٹھہرنے لگا جان میں اِضطراب
لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب

تپِ ہجر گھر دل میں کرنے لگی   دُرِ اشک سے چشم بھرنے لگی
خفا زِندگانی سے ہونے لگی   بہانے سے جا جا کے سونے لگی
تپِ غم کی شدّت سے پھر کانپ کانپ   اکیلی لگی رونے، مُنہ ڈھانپ ڈھانپ
نہ اگلا سا ہنسنا، نہ وہ بولنا   نہ کھانا، نہ پینا، نہ لب کھولنا
جہاں بیٹھنا، پھر نہ اُٹھنا اُسے   محبّت میں دن رات گھُٹنا اُسے
کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو   تو اُٹھنا اُسے کہ کے، ہاں جی، چلو
جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے   تو کہنا، یہی ہے جو احوال ہے
کسی نے جو کچھ بات کی، بات کی   یہ، دِن کی جو پوچھی، کہی رات کی
کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے   کہا: خیر، بہتر ہے، منگوائیے
کسی نے کہا: سَیر کیجے ذرا   کہا: سَیر سے دل ہے میرا بھرا
جو پانی پلانا، تو پینا اُسے   غرض غیر کے ہاتھ جینا اُسے
نہ کھانے کی سُدھ اور نہ پینے کا ہوش   بھرا دل میں اُس کے محبّت کا جوش
چمن پر نہ مائل، نہ گُل پر نظر   وہی سامنے صورت آٹھوں پہر
نہفتہ اُسی سے سوال و جواب   سدا روبرو اُس کے غم کی کتاب
جو آجائے کچھ ذکرِ شعر و سُخن   تو پڑھنا لیے دو تین شعرِ حَسَن

غزل

یہ کیا عشق آفت اُٹھانے لگا   مرے دل کو مجھ سے چھُڑانے لگا

بلا میرے دلبر کو مجھ سے خدا!　　　نہیں تو مرا جی ٹھکانے لگا
گُنہ چشمِ خوں بار کا کچھ نہیں　　　مرا دل ہی مجھ کو ڈبانے لگا
فلک نے تو اِتنا ہنسایا نہ تھا　　　کہ جس کے عوض یوں رُلانے لگا

نہیں مجھ کو دشمن سے شکوہ حسنؔ
مرا دوست مجھ کو ستانے لگا

غزل یا رُباعی دیا کوئی فرد　　　اُسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جس میں درد
سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں　　　نہیں تو کچھ اِس کی بھی خواہش نہیں
سبب کیا کہ دل سے تعلق ہے سب　　　نہ ہو دل، تو پھر بات بھی ہے غضب
گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل　　　کہاں کی رُباعی، کہاں کی غزل

داستان بدرِ منیر کے غم و اندوہ میں اور حسن بائی کے بلانے میں

گلابی میں غنچے کی بھر کر شتاب　　　پلا ساقیا، کیتکی کی شراب
پیالے میں نرگس کے دے میری جاں　　　کہ دیکھوں میں کیفیتِ بوستاں
حکایت کروں ایک دن کی رقم　　　کہ دُنیا میں توام ہیں شادی و غم
اُٹھی سوتے اک دن وہ رشکِ پری　　　کہا: جا کے دیکھوں چمن کو ذری
مگر غنچہ ساں کچھ کھلے میرا دل　　　کہ غم نے کیا ہے نپٹ مُضمحل
زبس گل سے آتی ہے بو یار کی　　　ہوا پھر ہوئی اُس کو گلزار کی

پھر ایک دن تھا، کہ مُنہ ہاتھ دھو
چلی اُٹھ کے دالان سے سَیر کو
زمرّد کا مونڈھا چمن پر بچھا
وہ بیٹھی عجب آن سے دل رُبا
کہ زانو پہ اک پاؤں کو رکھ لیا
اور اک پاؤں مونڈھے سے لٹکا دیا
نہ پوچھ اُس کے پائے نگاریں کا حال
زبانِ حنا، وصف میں جس کے لال
کَفَک اور فندَق سے، لالے کو داغ
نہ ہو ایسی کیفیّتِ پائیں باغ
طِلائی کڑے اور کفک کا وہ رنگ
سنہری شفق، جس کو ہو دیکھ، دنگ
جواہر کے چھلّے بھرے پور پور
زری کی ٹکی جیسے مخمل پہ قوَر
زبس سوتے اُٹھی تھی وہ نازنیں
پڑی تھی عجب ڈھب سے چینِ جبیں
خُماری وہ آنکھیں، وہ انگڑائیاں
وہ جوبن کے عالم کی سرسائیاں
جوانی کا موسم، شروعِ بہار
وہ سینے سے جوبن کا اُس کے اُبھار
نشے میں وہ آ حُسن کے، بیٹھنا
وہ چھب تختی اپنی کو دیکھ، اینٹھنا
خواص ایک حقّہ لیے تھی کھڑی
کہ لالے کی پتّی تھی اُس میں پڑی
وہ شیشے کا حُقّہ، مُرصّع کا کام
مُغرّق زری کا وہ نیچہ تمام
وِلے، ایک اُس پر پڑا تھا جو پیچ
یہ سب، اُس کے آگے تھا گویا کہ ہیچ
لبِ نازک اوپر وہ مُنہنال دھر
نکالے تھی پردے میں دُودِ جگر
اِدھر اور اُدھر ہر طرف تھی نگاہ
کسی کی کوئی جیسے تکتا ہو راہ
خواصیں کھڑی اُس کے سب گرد و پیش
جو تھیں اپنے عُہدے پہ حاضر ہمیش

کوئی مور چھل لے، کوئی پیک دان
کوئی لے چنگیر اور کوئی ہار پان
رَسیلی چھبیلی بنی تنگ و چُست
لباس اور زیور سے ہر اک درست
کھڑیں نیچی آنکھیں کیے باادب
اُسی شرم سے پر قیامت غضب
وہ آنکھیں کہ کرتی تھیں جیدھر نگاہ
اُدھر غش میں آتے تھے دل، کرکے آہ
کئی ہم دم اُس کی جو تھیں ماہ رو
بچھائے ہوئے کرسیاں سو بہ سو
برابر برابر اِدھر اور اُدھر
وہ گرد اُس کے بیٹھیں تھیں بایک دگر
سَماں اُس گھڑی کا کہوں کیا میں آہ
ستاروں میں آوے نظر جیسے ماہ
عجب حُسن تھا باغ میں جلوہ گر
کہ ہر گُل کی تھی اُس کے مُنہ پر نظر
چمن اُس گھڑی برسرِ جوش تھا
گُل و غُنچہ جو تھا، سو بے ہوش تھا
زبس عطر میں تھی وہ ڈوبی ہوئی
دوبالا ہر اک گُل کی خوبی ہوئی
مُعطّر ہوا اور گُل کا دماغ
کہ مہکا تمام اُس کی خوشبو سے باغ
پڑا عکس جو اُس کا طرفِ چمن
ہوا لالہ، گُل اور گُل، نَسترَن
درختوں پر اُس کی پڑی جو جھلک
زمرّد کو دی اور اُس نے چمک
ہوئی اُس کے بیٹھے سے گلشن کو زیب
گیا اُڑ صبا کا بھی صبر و شکیب
چمن نے جو اُس گُل کی دیکھی بہار
ہوا، دیکھ اپنے گُلوں کو، فگار
گُل و غُنچہ و لالہ آپس میں مل
لگے کہنے: اِس باغ کا تھا یہ دل
گئی جی سے بُلبُل کے گلشن کی چاہ
ہوئی سرو کی شکل، قُمری کو آہ

ہوئے دھل کے آئینہ دیوار و در
وہ مہ سب کے دل میں ہوئی جلوہ گر
کہ اِتنے میں کچھ جی میں جو آ گیا
ادا سے لگی کہنے وہ دل رُبا:
اری کوئی ہے، وہاں ذرا جائیو
مری حُسن بائی کو لے آئیو
عجب وقت ہے اور عجب ہے سَماں
کرے دو گھڑی آ کے مُجرا یہاں
خفا ہوں، مرا جی بھی مشغول ہو
کوئی دم تو داغِ جگر، پھول ہو
کسی طرح سے دل تو لگتا نہیں
جلے ہے جگر، دل سُلگتا نہیں
یہ سُنتے ہی دوڑی گئی اک نگار
لیا حُسن بائی کو اُس نے پُکار
وہ آنے لگی کافر اِس آن سے
کہ جانے لگا جی مسلمان سے
عجب حال سے وہ چلی نازنیں
کہ مستی میں پاؤں کہیں کا کہیں
وہ خِلقت کی گرمی، وہ ڈومَن پنا
نشے میں بھبوکا سا چہرہ بنا
لٹیں مُنہ پہ چھوٹی ہوئیں سر بہ سر
کہ بدلی ہو جوں مہ کے ادھر اُدھر
وہ بن پونچھی ہونٹھوں کی مِسّی غضب
کہ مُنہ پر تھی گویا قیامت کی شب
فقط کان میں ایک بالا بڑا
کہے تو کہ تھا مہ کے ہالا پڑا
وہ پشوازِ اگرئی، وہ نرگس کا ہار
وہ کم خواب کی بند، رومی اِزار
بندھا سر پہ جوڑا، بڑی زرد شال
کمر کی لچک اور مٹک کی وہ چال
وہ شبنم کی انگیا بنی تنگ و چست
کِناروں پہ مینا بنَت کا درست
وہ اُٹّھی ہوئی چین پشواز کی
وہ مَسکی ہوئی چولی انداز کی

وہ مہندی کا عالم، وہ توڑے، چھڑے
وہ پانوئں میں سونے کے دو دو کڑے
چلی وہاں سے دامن اُٹھاتی ہوئی
کڑے سے کڑے کو بجاتی ہوئی
عجب ایک عالم تھا بے ساختہ
کہ عالم تھا ایک اُس پہ جاں باختہ
کئی کافریں اور بھی دل نَواز
لیے ساتھ ساتھ اُس کے سب اپنے ساز
چلیں ایک اِغماض اور ناز سے
کھڑی ہوئیں [illegible] ایک انداز سے
روِش پر جو تھا فرش اُس کے حضور
ادب سے وہاں بیٹھیاں دور دور
ہوا حکم گوری کا جو بَر مَلا
لیے ساز اپنے سبھوں نے اُٹھا
دیا آسماں پر جو طَبلوں کو کھینچ
ہر اک تھاپ میں دل لیا سب کا اِینچ
لگی گانے ٹپّا وہ اِس آن سے
نکلنے لگی جان، ہر تان سے
عجب تان پڑتی تھی انداز سے
کہ بے کل تھی ہر تان، آواز سے
وہ تھی گٹکری یا لڑی نور کی
مُسلسل تھی اک پھلجھڑی نُور کی
گُل و غُنچہ کی طرح محبوب تھی
کھُلی اور مُندی دل کی مرغوب تھی
غرض کیا کہوں اُس کا میں ماجرا
عجب طرح کی بندھ گئی تھی ہَوا
وہ گانے کا عالم، وہ حُسنِ بُتاں
وہ گُلشن کی خوبی، وہ اُن کا سماں
گھڑی چار، دن باقی اُس وقت تھا
سُہانا ہر اک طرف سایہ ڈھلا
درختوں کی کچھ چھانو اور کچھ وہ دھوپ
وہ دھانوں کی سبزی، وہ سرسوں کا روپ
لپیٹے ہوئے بُوستوں پر تمام
رُوپہرے سُنہرے وَرَق صُبح و شام

وہ لالے کا عالم، سبزے کا رنگ   وہ آنکھوں کے ڈورے، نشے کی ترنگ
گلابی سا ہو جانا دیوار و در   درختوں سے آنا شفق کا نظر
وہ چادر کا چھٹنا، وہ پانی کا زور   ہر اک جانور کا درختوں پہ شور
وہ سروِ سہی اور وہ آبِ رواں   وہ مستی سے پانی کا پھرنا وہاں
وہ اُڑتی سی نوبت کی دھیمی صدا   کہیں دور سے گوش پڑتی تھی آ
وہ رقصِ بتاں اور وہ ستھری الاپ   وہ گوری کی تانیں، وہ طبلوں کی تھاپ
وہ دل پیٹنا ہاتھ پر دھر کے ہاتھ   اُچھلنا وہ دامن کا ٹھوکر کے ساتھ
نہ انساں کا ہی تھا دل اُس میں بند   ہوئے محو حسن کر چرند اور پرند
غرض جو کھڑی تھی، کھڑی رہ گئی   اُڑی جس جگہ، سو اُڑی رہ گئی
جو پیچھے تھی، آگے نہ وہ چل سکی   جو بیٹھی سو بیٹھی، نہ پھر ہل سکی
لگی دیکھنے آنکھ نرگس اُٹھا   گلوں نے دیے کان ادھر لگا
لگے ہلنے آ وجد میں سب درخت   کھڑے رہ گئے سرو ہو کر کرخت
درختوں سے گرنے لگے جانور   بنے مثلِ آئینہ دیوار و در
ہوئیں قمریاں شوق سے نعرہ زن   بھرا اشک سے بلبلوں کے چمن
ہوئے نہر کے سنگ، پانی، پگھل   پڑے سارے فوارے اُس کے اُچھل
عجب راگ کو بھی دیا ہے اثر   کہ ہو جاوے پتھر کا، پانی، جگر
بندھا اِس طرح کا جو اُس جا سماں   ہوا سب کے دل کا عجب حال وہاں

ولیکن[1] جو کچھ دل گیوں پر گیا
کہ بن آئی، ہر اک وہاں مر گیا
لگا تھا زبس عشق کا اُس کو تیر
لگی کھینچنے آہ بدرِ منیر
بندھا اُس کو عاشق کا اپنے خیال
لگی رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال
کہیں کا کہیں لے اُڑا اُس کو راگ
ہَوا سے ہوئی اور دونی وہ آگ
لگی کہنے: ہے ہے، یہ دیکھوں میں سَیر
نہ ہو پاس میرے وہ، یادش بہ خیر
وہی جانے، ہو جس کے کچھ دل کو لاگ
کہ معشوق بن، سب ہے گلزار، آگ
بھلا کیونکے جی اُس کا خوش حال ہو
کہ ہجراں کا غم، جس کے دُنبال ہو
جگر میں اگر آہ کی سول ہو
لگے خار، کیسا ہی گو پھول ہو
درختوں کے عالَم سے کیا ہو نہال
جسے یادِ شمشاد کی ہو کمال
کرے گلشن و گُل پہ کیا وہ نظر
جسے اپنے گُل کی نہ ہووے خبر
یہ کہہ کر، اُٹھی وہاں سے وہ دل رُبا
چھپر کھٹ پہ جا کر گری مُنہ چھپا
خوشی کا جو عالَم تھا، ماتم ہوا
ورق کا ورق ہی وہ برہم ہوا
سب اُٹھتے ہی بس اُس کے، جاتی رہیں
طوائف کہیں، اور خواصیں کہیں
مری عقل اِس جا پہ حیران ہے
کہ یارب، یہ کیسا گلستان ہے!
ہر اک وقت ہے اِس کا عالَم جُدا
جو چاہو، یہ پھر ہو، تو اِمکان کیا

---

[1] یہ شعر نسخہ فورٹ ولیم میں موجود نہیں۔

کبھی ہے خزاں اور کبھی ہے بہار　　نہیں اک وتیرے پہ لیل و نہار

داستان بے نظیر کے غمِ ہجر سے بدرِ مُنیر کی بے قراری میں

پلا ساقی اک جام مجھ کو شتاب　　کہ پردے میں شب کے گیا آفتاب
شبِ ہجر کی پھر علامت ہوئی　　غرض عاشقوں پر قیامت ہوئی
گئی جب چھپر کھٹ میں وہ رشکِ حور　　سبھوں کو کہا: تم رہو دور دور
اکیلی وہ روتی تھی زار و نزار　　اُسی اپنے عالم میں بے اِختیار
گرے چشم سے اُس کی اِتنے گُہر　　کہ دھویا اُسی آب سے مُنہ سحر
صبوحی تو دے ساقیِ لعل فام　　کہ رو دھو کے مَیں رات کاٹی تمام
ہُوا آفتابِ الم جو طُلوع　　اُداسی کا ہونے لگا دن شُروع
ذرا آئنہ لے کے دیکھا جو رنگ　　تو جوں آئنہ رہ گئی وہ بھی دنگ
بدن کو جو دیکھا تو زار و نزار　　کسی کو کوئی جیسے دیوے فشار
فلک کی طرف دیکھ اور شُکر کر　　لگی دل کو بہلانے ایدھر اُدھر
زَباں پر تو باتیں، ولے دل اُداس　　پَراگندہ حیرت سے ہوش و حواس
نہ مُنہ کی خبر اور نہ تن کی خبر　　نہ سر کی خبر، نے بدن کی خبر
اگر سر کُھلا ہے تو کچھ غم نہیں　　جو کُرتی ہے مَیلی تو مَحرم نہیں
جو مسّی ہے دو دن کی، تو ہے وہی　　جو کنگھی نہیں کی، تو یوں ہی سہی

جو سینہ کھلا ہے تو دل چاک ہے
غم آلودہ صبحِ طرب ناک ہے
نہ منظور سُرمہ، نہ کاجل سے کام
نظر میں وہی تیرہ بختی کی شام
ولیکن یہ خوبوں کا دیکھا سبھاؤ
کہ بگڑے سے، دونا ہو اُن کا بناؤ
نہیں حسن کی اِس طرح بھی کمی
جو بگڑی ہے بیٹھی، تو گویا بنی
غرض، بے ادائی ہے یہاں کی ادا
بھلوں کو، سبھی کچھ لگے ہے بھلا
جو ماتھے پہ چینِ جبیں غم سے ہے
تو وہ بھی ہے اک موجِ دریائے مے
وہ آنکھیں جو روئی ہیں بس پھوٹ پھوٹ
تو گویا کہ موتی بھرے کوٹ کوٹ
تپِ غم سے یوں تمتمائے ہیں گال
کہ جوں رنگِ لالہ ہو وقتِ زوال
گریبان سینے پہ جو ہے کھلا
تو گویا وہ ہے صبحِ عشرت فزا
نقاہت سے چہرہ اگر زرد ہے
دیا آہ ہونٹھوں پہ کچھ سرد ہے
ادا سے نہیں یہ بھی عالم جدا
کہ ہے چاندنی اور ٹھنڈی ہوا

داستان بے قراری بدرِ منیر کی بے نظیر کے فراق میں
اور نجم النسّا کے تسلّی دینے میں

بلا سا تھا ساغرِ بے نظیر
پھنسی دامِ ہجراں میں بدرِ منیر
وہ حسن و جوانی اور اُس پر یہ غم
ستم ہے، ستم ہے، ستم ہے، ستم

جہاں بیٹھنا، آہ کرنا اُسے
بہانہ نزاکت پہ دھرنا اُسے
کبھی خون آنکھوں سے رُو ڈالنا
کسی کو کبھی دیکھ، دھو ڈالنا
خواصوں کو بالا بتانا اُسے
اکیلی درختوں میں جانا اُسے
ولے اُن درختوں میں جن میں وہ ماہ
سرِ شام چھپ چھپ کے کرتا نگاہ
سو یہ بھی پہر دِن سے آدھا مُدام
اُسی چھانو میں بیٹھ، کرتی تھی شام
گیا اِس طرح جب مہینا گزر
کہ وہ ماہ، مُطلق نہ آیا نظر
اور اِس کا اِدھر رنگ گھٹنے لگا
جگر خوں ہو مژگاں پہ بٹنے لگا
لگی رہنے تپ جانِ بے تاب میں
لگا فرق آنے خور و خواب میں
محبّت کا سودا سا ہونے لگا
جُنوں، تخمِ وحشت کا بونے لگا
سرکنے لگا پاسِ ناموس و ننگ
لگی عقل اور عشق میں ہونے جنگ
خموشی اُٹھانے لگی دل میں شور
جتانے لگی ناتوانی بھی زور
یہ احوال دیکھ اُس کا دُختِ وزیر
لگی جل کے کہنے کہ بدرِ مُنیر!
تو وہ ہے کہ سب کے تئیں دے وُقوف
کدھر دل گیا تیرا اے بے وقوف!
مُسافر سے کوئی بھی کرتا ہے پیت!
مَثل ہے کہ "جوگی ہوئے کس کے میت"
اری، چار دن کے ہیں یے آشنا
مِلا دل کو، آخر کریں ہیں جُدا
کبھے آسماں، گہ زمیں کے ہیں یے
جہاں بیٹھے ہیں، بس وہیں کے ہیں یے
تو بھولی ہے کس بات پر اے بُوا
خبر لے دِوانی، تجھے کیا ہوا!

سنو جانی! اپنے پہ جو کوئی مرے
تو دل پہلے اپنا بھی صدقے کرے
اگر آپ پر کوئی شیدا نہ ہو
تو پھر چاہیے اُس کی پروا نہ ہو
وہ خوش ہوگا اپنی پری کو لیے
عبث اُس پہ بیٹھی ہو تم جی دیے
تمھاری اُسے چاہ ہوتی اگر
تو اب تک وہ تم کو نہ آتا نظر
لگی کہنے تب اُس کو بدرِ مُنیر،
کہ سُنتی ہے اے میری دُختِ وزیر!
کسی کی بدی تو نہ کر، عَیب ہے
کہ اُس کا خُدا عالمُ الغیب ہے
وہ اپنے دِلوں سے تو ہے نیک ذات
ہوئی اُس پہ کیا جانیں کیا وارِدات
ہُوا قید، یا آنے پایا نہ وہ
گئے اِتنے دن، اب تک آیا نہ وہ
مجھے رات دن اِس کا رہتا ہے ڈر
پری نے سُنی ہو نہ یہاں کی خبر
نہ باندھا ہو اُس کو کسی شَید میں
کیا ہو نہ اُس کے تئیں قید میں
پری نے کہیں طَیش کھا لاف میں
دیا ہو نہ پھینک اُس کو کُہ قاف میں
پرستان سے بھی نکالا نہ ہو
کسی دیو کے مُنہ میں ڈالا نہ ہو
نہ ملنے کے دُکھ اُس کے سب مَیں سہے
بھلا اپنے جی سے وہ جیتا رہے
یہ کہہ حالِ دل اپنا رونے لگی
گُہر آنسوؤں کے پرونے لگی
گئی مُنڈکری مار آخر کو لیٹ
چھپر کھٹ کے کونے میں سر مُنہ لپیٹ

خواب دیکھنے میں بدرِ منیر کے بے نظیر کو کنویں میں

پلا ساقیا جامِ جم سے وہ مُل
کہ عجائب کا احوال، ظاہر ہو کُل

کسی کے تو آ کام فرُخندہ حال
کہ آخر یہ دُنیا ہے خواب و خیال
ذرا آنکھ لگ گئی جو اُس حال میں
تو دیکھا پھنسا اُس کو جنجال میں
قضا نے دکھایا عجب اُس کو خواب
کہ دشمن نہ دیکھے وہ حالِ خراب
یہ دیکھا کہ صحرا ہے اِک لَق و دَق
کہ رُستم جسے دیکھ ہو جاوے فق
نہ انسان ہے وہاں نہ حیوان ہے
فقط اک کفِ دست میدان ہے
مگر بیچ میں اُس کے ہے اِک کنُواں
کہ اُٹھتا ہے آہوں کا وہاں سے دھُواں
کنویں کا ہے مُنہ بند، اُس سے اَڑی
کئی لاکھ من کی ہے اک سِل پڑی
صدا وہاں سے یہ ہے کہ بدرِ مُنیر!
ترے چاہِ غم میں ہُوا ہوں اسیر
میں بھولا نہیں تجھ کو اے میری جاں
کروں کیا کہ ہے مجھ پہ قیدِ گراں
پر، اِس قید میں بھی ترا دھیان ہے
فقط تیرے ملنے کا ارمان ہے
تو اپنی جو صورت دکھاوے مجھے
تو اِس قیدِ غم سے چھُڑاوے مجھے
نہیں مجھ کو مرنے سے کچھ اپنے ڈر
یہ غم ہے کہ تجھ کو نہ ہووے خبر
تجھے کاش اِس وقت مَیں دیکھ لوں
جیوں میں، اگر تیرے آگے مروں
ولیکن یہ ہے خام میرا خیال
نہیں وصل ممکن بغیر از وِصال
کوئی دم کا مہماں ہوں آج کل
اِسی چاہ میں جائے گا دَم نکل
یہ سُن وارداتِ شہِ بے نظیر
جو چاہے کرے بات بدرِ مُنیر
یہ ہرگز مُیسّر نہ آئی اُسے
قضا نے نہ اِس کی سُنائی اُسے

یکایک گئی آنکھ اتنے میں کھل　　بھرے اشک رخسار پر آئے ڈھل
نہ وہ چاہ دیکھا، نہ ہم راز وہ　　پڑی گوش میں پھر نہ آواز وہ
صدا اپنے یوسف کی سن خواب سے　　اُٹھی باولی جانِ بے تاب سے
کہا گو کسی سے نہ اُس نے یہ بھید　　ولے جوں مہِ صُبح چہرہ سفید
ڈھلے مُنہ پہ آنسو، ہوا بس کہ رنج　　چُھٹے چاندنی میں ستاروں کے گنج
وہ مہتاب سا چہرہ، ہو زرد زرد　　سراپا ہوا شکلِ اَندوہ و درد
زبس آہِ پنہاں سے گُھٹنے لگی　　تو مُنہ پر ہوائی سی چُھٹنے لگی
مِژہ وہ نُکیلی جو تھی تیز سی　　ہوئی اشکِ خونیں سے گُل ریز سی
بُھچمپا سا قد تھا جو رشکِ انار　　نکلنے لگے اُس سے شعلے ہزار
جلیں اُس کی آہوں سے گُل صورتیں　　ہوئیں سب وہ ٹٹی کی جوں مُورتیں
چھپایا بہت اُس نے، پر ہم نشیں!　　چھپائے سے آتش چھپے ہے کہیں
کسی سے کسی کو جو ہوتی ہے لاگ　　بغیر از کہے اور لگتی ہے آگ
خواصیں کئی وے جو ہم راز تھیں　　بڑی خدمتوں میں سر اَفراز تھیں
کہا اُن سے رُو رُو کے اَحوالِ خواب　　رُلایا اُنھیں پڑھ کے غم کی کتاب
سُنا جب کہ نجمُ النّسا نے یہ حال　　ہوئی بے قراری تب اُس کو کمال

داستان نجمُ النّسا کے جوگن ہونے میں

لگی کہنے وہ: یوں نہ آنسو بہا　　ترے واسطے میں نے سب دُکھ سہا

بس اب سر بہ صحرا نکلتی ہوں میں
اُسے ڈھونڈ لانے کو چلتی ہوں میں
جو باقی رہا کچھ مرے دَم میں دَم
تو پھر آ کے میں دیکھتی ہوں قدم
دگر مر گئی، تو بلا سے موئی
تو یوں جانیو مجھ پہ صدقے ہوئی
کہا شاہ زادی نے: سُن اے رفیق!
ہوئی میں تو اِس چاہِ غم میں غریق
بھلی چنگی اپنی نہ کھو جان تو
کہ وہ ہے پری اور انسان تو
رسائی تری کیونکے ہوگی وہاں
مجھے بھی نہ دے ہاتھ سے میری جاں
میں جیتی ہوں اِس آسرے پر فقط
کہ ہوتا ہے تجھ سے مرا غم غلَط
وگرنہ میں رُک رُک کے مر جاؤں گی
اِسی طرح جی سے گزر جاؤں گی
کہا اُس نے: کیا کیجیے پھر بھلا
پڑی سر پہ یہ ناگہانی بَلا
میں اِس عشق کا یہ نہ سمجھی تھی ڈَول
ترے غم سے، آنے لگا مجھ کو ہَول
تجھے دیکھنا یوں گوارا نہیں
اِس اندوہ کا مجھ کو یارا نہیں
یہ کہہ، اُس نے رُو رُو اُتارا سِنگار
کیا اپنی پشواز کو تار تار
گریبان کو مثلِ گُل چاک کر
دیا خاک پر پھینک ادھر اُدھر
پھر آئے جو کچھ اُس کو ہوش و حواس
سجا تن پہ جوگن کا اُس نے لباس
پہن سیلی، اور گیروا اوڑھ کھیس
چلی بن کے صحرا کو جوگن کے بھیس
کئی سیر مُوتی بَملا، راکھ کر
بھبوت اپنے تن پر ملا سر بہ سر
پہن ایک لہنگا زری باف کا
وہ پردہ سا کر اُس تنِ صاف کا

زری کے دوپٹے سے چھاتی کو باندھ بدن کو چھپا اور گاتی کو باندھ
زمرّد کے مُندرے لگا کان میں کہ جوں سبزہ و گُل، گُلستان میں
گلے بیچ ڈال اپنے مالوں کے تئیں پریشان کر اپنے بالوں کے تئیں
زری کا بنا حلقہ سر پر رکھا کیا سُنبلستان کو جگمگا
لٹیں دے کے بل دوش پر موڑ دیں وہ باگیں سی شَبدیز کی چھوڑ دیں
مے غم سے آنکھوں کو کر لال لال رکھا چشم میں خونِ دل کو نکال
زمرّد کی سُمرن کو ہاتھوں میں ڈال اور اک بین کاندھے پر اپنے سنبھال
جو منکے تھے مَن کے اُنھیں کر دُرست پہن اپنے موقع سے چالاک و چُست
چلی بن کے جوگن وہ باہر کے تئیں دکھاتی ہوئی حال ہر ہر کے تئیں
تفِ سوزِ دل کا عیاں منہ سے حال اُڑاتی چلی اپنی آہوں سے رال
اُس آئینہ رو کا کروں کیا بیاں صَفا، راکھ سے اور چمکی وہاں
کرے حُسن کو کس طرح کوئی ماند چھپے ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند
چھپانے کو سانگ اُس نے جو جو کیے غرض حُسن نے اور جلوے دیے
وہ موتی کی سیلی، وہ تن کی دمک شبِ تیرہ میں کہکشانِ فلک
زری کا وہ حلقہ سر اوپر دھرے کہ جوں شب میں کوئی ٹمٹمی کرے
زمانے کو بھائی جو اُس کی ادا تو اُس رات پر، دن کو صدقے کیا
کرے جو کہ تقویم دل سے حساب کہے، سُنبلہ میں گیا آفتاب

یہ برق و یہ ابرِ سیہ ہے اگر
تو دامانِ عشّاق ہوویں گے تر
زمرّد کے مُندرے وہ اِس آن پر
کہوں کیا کہ جیسے کُھلے کان پر
وہ مُندرے، وہ تن اُس کا خاکستری
ہوئی حُسن کی اور کھیتی ہری
اُڑے سبزہ و گُل کے دیکھ اُس کو ہوش
ہوئے دونوں ہوئے اُس کے حلقہ بہ گوش
نظر کر صفائی کو اُس گوش کی
زمرّد کو اُس گوش کی تو لگی
بڑھے کیوں نہ ہر دم زمرّد کی شان
جب ایسے کسی کے لگے جا کے کان
وہ موتی کے مالے، وہ مونگے کے ہار
گُل و نسترن کی چمن میں بہار
گلابی سی وہ نرگسِ شوخ رنگ
بھرے جس میں لالہ نے لالا کے رنگ
وہ قشقہ کھنچا سُرخ ماتھے پہ یوں
پڑے نور پر لعل کا عکس جوں
ادا اُس کی دیکھے جو عاشق کبھو
تو رو یا کرے چشم سے وہ لہو
یہ بین اُس کے کاندھے پہ تھی خوش نما
چلے جوں کوئی مست شیشہ اُٹھا
دیارِ محبت میں مہنگی تھی وہ
نہ تھی بین، عشرت کی بہنگی تھی وہ
نہ تھی بین، تھے قُمقُمے رنگ کے
دیا تھے سبو بحرِ آہنگ کے
سو وہ بین کاندھے پہ رکھ یوں چلی
کہ لادے کوئی جیسے گنگا جلی
ہر اک تار تھا بین کا رُودِ نیل
وہ تھی ہند کے راگ کی سلسبیل
نہ عاشق ہوئے اُس کے عالم پہ لوگ
دِوانہ ہوا جوگ، دیکھ اُس کا جوگ
بنی جب کہ جوگن وہ اِس رنگ سے
لگے پھوڑنے دوست سر سنگ سے

وہ رخصت جو اِس طرح ہونے لگی   تو وہ صاحبِ خانہ رونے لگی
وہ رُو رُو کے دو ابرِ غم یوں ملے   کہ جس طرح ساوَن سے بھادوں ملے
یہاں تک بندھا اُس کے رونے کا تار   بہے پھوٹ دیوار و در ایک بار
کھڑے تھے وہ جوگن کے جو گرد کُل   وہ رُو رُو ہوئے شبنم آلودہ گُل
نہ دیکھا کسی نے جو کچھ اختیار   کہا: حق کو سونپا تجھے، لے سدھار
چلی جس طرح پیٹھ اپنی دِکھا   اِسی طرح دِکھلا ہمیں مُنہ پھر آ
کسی نے کہا: بھولیو مت مجھے   خدا کے تئیں میں نے سونپا تجھے
کہا اُس نے: خَیر، اب تو جاتی ہوں میں   جو ملتا ہے، تو اُس کو لاتی ہوں میں
تمھیں بھی خُدا کو میں سونپا، سُنا   مرا بخشیو تم کہا اور سُنا
جُدا ہو کے اَلقصہ ۰ روتوں کو چھوڑ   چلی اپنے گھر بار سے مُنہ کو موڑ
نہ سُدھ بُدھ کی لی اور نہ منگل کی لی   نکل شہر سے راہ جنگل کی لی
لیے بین پھرتی تھی صحرا نوَرد   تنِ خاک اور رُخِ گرد گرد
کہ شاید کوئی شخص ایسا ملے   کہ جس سے، وہ شیدا کا شیدا ملے
جہاں بیٹھ کر وہ بجاتی تھی بین   تو سُننے کو آتے تھے آہوے چین
بجاتی وہ جوگن جہاں جُڑ گیا   تو واں بیٹھتی خلق دھونی لگا
اُسے سُن کے، آتا تھا صحرا کو جوش   را سے، درختوں کو کرنا خروش
گُلِ نغمہ جو اُس سے گرتے ہزار   تو نا انھیں دشت، دامن پسار

کہیں حلقہ حلقہ، کہیں لخت لخت
کھڑے ہو کے گرد اُس کے سُنتے درخت
بجاتی تھی جوں جوں وہ بن بن کے بین
خَس و خار سُنتے تھے بن بن کے بین
نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی
ہر اک عالمِ شوق میں تھی کھڑی
تماشا نہ دیکھا تھا جو یہ کبھی
در و دشت غش ہو پڑے تھے سبھی
یہاں تک کہ رہ میں جو تھے نقشِ پا
وہ بیٹھے تھے کان اپنے اودھر لگا
گُلِ نغمۂ تر کی تھی یہ بہار
کہ صحرا کے گُل اُس کے آگے تھے خار
سُن آواز کی اُس کی شان و شکوہ
کچھ اک دب کے بیٹھے تھے سُننے کو کوہ
نہ پانی ہی سُن شور اُس کا چلے
کنویں کے دلوں میں ہوئے ولولے
نہ چشمے ہی کچھ آب دیدہ رہے
گریبان کر چاک دریا بہے
گئی جو صدا گوش میں راگ کے
تو سنّے کو سُوتے اُٹھے جاگ کے
سمجھ بین کو اُس کی انسان، سار
گریبان کرنے لگے تار تار
فقط بُلبُل و گُل کا کب تھا ہجوم
کہ گرتی تھیں واں ڈالیاں جھوم جھوم
تحیّر کا تھا واں ہر اک کو مقام
زباں کا نکلتا تھا ہاتھوں سے کام
چمن کرتی پھرتی تھی جنگل کے تئیں
بساتی تھی جنگل میں دنگل کے تئیں
یہ ہر جا پہ تھا اُس کے دم سے طِلسم
بندھا تھا اُسی دم قدم سے طِلسم
شب و روز سرگشتہ مثلِ صبا
اِسی طرح پھرتی تھی وہ جا بہ جا

داستان فیروز شاہ، جنوں کے بادشاہ کے بیٹے کے عاشق ہونے میں جوگن پر

کدھر ہے تو اے ساقیِ گُل عذار   کہ صحرا سے اب دل ہُوا خار خار
کوئی پھول سی دے شتابی شراب   کہ شہرِ مطالب کو پہنچوں شتاب
وہ دارو پلا، دل کو جو راس ہو   کہ جینے کی بیمار کو آس ہو
مُسبّب کے اسباب دیکھو ذرا   کہ قُدرت میں ہے اُس کی کیا کیا دھرا
سفید و سیہ اُس کے ہے اختیار   بنایا ہے اُس نے یہ لَیل و نہار
جہاں میں ہے اَندوہ و عشرت بَہم   کہیں صُبحِ عیش و کہیں شامِ غم
دو رنگی زمانے کی مشہور ہے   کبھی سایہ ہے یہاں، کبھی نور ہے
قضارا، سُہانا سا اک دَشت تھا   کہ اک شب ہوا اُس کا وہاں بسترا
وہ تھی اتفاقاً شبِ چاردَہ   ادا سے وہ بیٹھی تھی وہاں رشکِ مہ
بچھی ہر طرف چادرِ نور تھی   یہی چاندنی اُس کو منظور تھی
بچھا مرگ چھالے کو اور لے کے بین   دو زانو سنبھل کر وہ زُہرہ جبین
کدارا بجانے لگی شوق میں   لگی دست و پا مارنے ذوق میں
کدارا لگا بجنے یہ اُس کے ہاتھ   کہ مہ نے کیا دائرے کے ساتھ

بندھا اِس طرح کا جو اُس جا سماں
صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں
وہ سُنسان جنگل، وہ نورِ قمر
وہ بَرّاق سا ہر طرف دشت و دَر
وہ اُجلا سا میداں، چمکتی سی ریت
لگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتّے چمکتے ہوئے
خَس و خار سارے جَھمکتے ہوئے
درختوں کے سایے سے مَہ کا ظہور
گرے جیسے چھلنی سے چَھن چَھن کے نور
ویا یہ کہ جوگن کا مُنہ دیکھ کر
ہُوا نور، سایے کا، ٹکڑے جگر
گیا ہاتھ سے بین سُن کر جو دِل
گئے سایہ و نور آپس میں مِل
وہ صورت خوش آئی جو اُس نور کی
دِل اپنے پہ سایے نے منظور کی
ہَوا بندھ گئی اُس گھڑی اِس اصول
بَسیرا گئے جانور اپنا بھول
درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا
لگی وجد میں بولنے واہ وا
کِدارے کا عالَم یہ تھا اُس گھڑی
کہ تھی چاندنی ہر طرف غش پڑی
یہاں تو یہ عالَم تھا اور طَور یہ
تِس اوپر مزہ تم سُنو اور یہ
کہ تھا اک پری زاد فرّخ سِیَر
جِنوں کے وہ تھا بادشہ کا پسر
نہایت طرح دار، صاحِب جمال
برس بیس اکیس کا سِنّ و سال
ہَوا پر اُڑائے ہوئے اپنا تخت
کسی طرف جاتا تھا فیروز بخت
وہ جاتا تھا کرتا ہوا سیرِ ماہ
اُسے خلق کہتی تھی فیروز شاہ
یکایک سُنی بین کی جو صدا
وہاں تخت لا اُس نے اپنا رکھا

جو دیکھے تو جوگن ہے اک رشکِ حور
کہ چشمِ فلک نے نہ دیکھا یہ نور
نظر کر کے حُسن اُس کا، غَش کر گیا
تعشّق کے عالم میں بس مر گیا
کہا، کچھ بناوَٹ کا یہ بھیس ہے
لگا کہنے: جوگی جی! آدِیس ہے
پڑا تم پر اِتنا کہو کیا بجُوگ
لیا واسطے کس کے تم نے یہ جُوگ؟
کدھر سے تم آئے، کہاں جاؤ گے؟
دَیا اپنی ہم پر بھی فرماؤ گے؟
وہ سمجھی کہ اِس کا دل آیا اِدھر
کہ دل بھی تو رکھتا ہے دل کی خبر
خَس و خار ہے عشق، حُسن آگ ہے
سدا عشق اور حُسن میں لاگ ہے
ولے، راگ ہے اور اُس میں ہَوا
کہ دونوں طرف آگ دے ہے لگا
کہا ہنس کے جوگن نے: ہَر بول ہَر
جہاں سے تو آیا، چلا جا اُدھر
کہا تب پری زاد نے: واہ جی
بہت گرم ہیں آپ، اللہ جی!
نہ روکھے ہو اِتنا، بھلا جاؤں گا
ذرا بین سُن کر چلا جاؤں گا
کہا: ہوتے سُوتوں سے اپنے کہو
فقیروں کو چھیڑو نہ، بیٹھے رہو
لیے دَو دُو لطیفے جو باہم ہوئے
اُسی لُطف میں پیے تو بے دم ہوئے
گیا بیٹھ آسامنے رِیت میں
رہا کھیت یہ تو اُسی کھیت میں
نظر حُسن پر گاہ، گہ بین پر
تَر آیا دل اُس لُعبتِ چین پر
رہا تن بدن کا نہ کچھ اُس کو ہوش
بنا گُل وہ جوں نقشِ پا چشم و گوش
وہ جوگن جو تھی درد و غم کی اسیر
ہوا غم میں جوگن کے یہ بھی فقیر

نہ سُدھ گھر کی لی اور نے راہ کی
جب آئی ذرا سُدھ، تو پھر آہ کی

بجاتی رہی بین وہ صُبح تک
یہ رویا کیا سامنے بے دھڑک

اُدھر تان پر بین کی تھی بہار
بندھا تھا اِدھر اُس کے رونے کا تار

دھری اپنے کاندھے سے جب اُس نے بین
اُٹھی لے کے انگڑائی زُہرہ جبین

پری زاد نے تب پکڑ اُس کا ہاتھ
شتابی بٹھا تخت پر اپنے ساتھ

زمیں سے اُڑا آسماں کے تئیں
وہ کتنا کہا کی: نہیں رے، نہیں!

نہ مانا اور اُس نے اُڑایا اُسے
پرستان میں لا بٹھایا اُسے

یہ مُژدہ گیا باپ پاس اپنے لے
کہا: عرض رکھتا ہوں میں آپ سے

یہ جوگن جو ہے ایک صاحبِ کمال
ذرا بین سُنیے اور اِس کے خیال

بہت آپ اِس سے اُٹھاویں گے حَظ
بہت بین سے اِس کی پاویں گے حَظ

کہا اُس نے: بابا! بہت خوب ہے
ہمیشہ سے راگ اپنا مرغوب ہے

کہا: آؤ جوگی جی! بیٹھو اِدھر
کرو روشن اپنے قدم سے یہ گھر

کُھلے بخت بیٹے کے اور باپ کے
سر اوپر ہمارے قدم آپ کے

بہت اُس کی تعظیم و تکریم کی
جگہ ایک پاکیزہ رہنے کو دی

پلا مجھ کو ساقی محبّت کا جام
کہ مہمانیوں میں ہوا دن تمام

داستان فیروز شاہ کی مجلس آرائی اور جوگن کے بُلانے میں

یہ جوگن جو بیٹھی بِرہ وگن ہوئی
کہ اِتنے میں رات آئی جوگن موئی

بھبوت اپنے مُنہ پر شتابی سے مَل
رکھ اِنڈوئے کو مہ کے، شب آئی نکل

دکھاتی ہوئی سوزِ دل دور سے
اُڑاتی ہوئی رال کو نور سے

ستاروں کے مالے گلے بیچ ڈال
وہ پہنچی پرستان میں حال حال

ہوئی شب جو وہ بزمِ اَنجم فَروز
چھپا رشک سے اُس کے پردے میں روز

مَلِک نے پرستاں میں مجلس بنا
بُلایا اُسے، جس کی تھی یہ ثَنا

پری زاد سارے ہوئے جَمع وہاں
کہ دیکھیں تو جوگن کا چل کر سماں

وہ جوگن جو سچ مچ تھی زُہرہ جَبین
سو مجلس میں آئی لیے اپنی بین

بہت مِنّتوں سے بُلایا اُسے
بڑی عزتوں سے بٹھایا اُسے

کہا: ہم ہیں مُشتاق، کچھ گائیے
سماں بین کا ہم کو دکھلائیے

کہا: کچھ بجانا نہیں اپنا کام
ہر اک طرح لینا ہمیں ہَر کا نام

ہیں بیزار فرمائشوں سے فقیر
ولے کیا کریں، اب ہوئے ہیں اسیر

کہا: جوگی صاحِب! یہ کیا بات ہے
کرم آپ کا ہم پہ دن رات ہے

جو مرضی ہو تو تم کو تکلیف دیں
نہیں، جس میں راضی ہو تم، سو کریں

کہا: اِس طرح سے جو فرماؤ گے
تو ہاں، بندگی ہی میں کچھ پاؤ گے

یہ کہہ اُس نے، اور بین کاندھے پہ دَھر
یہاں تک بجائی کہ دیوار و در

کھڑے رہ گئے ہوش کھوئے ہوئے
نظر جو پڑے وہاں سو روئے ہوئے

گیا اہلِ مجلس کا جو دل پِگھل
تو جوں شمع اشک آئے سب کے نکل

ہوئیں بین پر اُنگلیاں یوں رواں
کہ ہاتھوں سے اُس کے ہوا دل رواں

رواں و دواں کر دیا جان کو
رُلایا ہر اک جِنّ و انسان کو

ہوا حال پر اُس کا جو کچھ تباہ
وہ عاشق جو تھا اُس پہ فیروز شاہ

کبھی سامنے آ کے کرتا نظر
کبھی دیکھتا چھپ کے ایدھر اُدھر

سُتوں کی کبھی اوٹ میں ہو کے وہ
کھڑا دیکھتا اُس کو رُو رُو کے وہ

کبھی ایدھر اودھر سے پھر پھر کے آ
چھپے اُس کے مُکھڑے کی لیتا بلا

وہ گو کچھ نہ سُنتی، نہ کہتی اُسے
کنکھیوں سے پر دیکھ رہتی اُسے

نظر اُس کی جب آن پڑتی اِدھر
تو یہ اور کی طرف کرتی نظر

اِس آن و ادا پہ وہ فیروز شاہ
دل و جاں سے کرتا تھا ہر لحظہ آہ

اگر کوئی جوگن کی کرتا ثنا
تو کھا رشک کہتا کہ پھر تم کو کیا!

غرض تھی یہ صحبت کہ میں کیا کہوں
یہی دِل تھا اُس کا کہ دیکھا کروں

بجی پہلی صحبت میں وہاں ایسی بین
کہ غش کر گئے وے جو تھے نکتہ چین

سراہا پری زاد کے باپ نے
کہا: کی دیا جوگی جی آپ نے

اِسی طرح ہر شب کرم کیجیے
مری بزم رشکِ اِرم کیجیے

مُقدّم ہمارا رِجھانا کرو
ہمیں اپنا مُشتاق جانا کرو

یہ گھر بار ہے آپ کا ہی تمام
ہوئے آج سے ہم تمھارے غُلام

تکلّف کو موقوف کر دیجیے
جو کچھ تم کو درکار ہو، لیجیے

LIBRARY
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

کہا اُس نے: مطلب نہیں کچھ ہمیں
تمھارا مبارک رہے گھر تمہیں
کہاں ہم، کہاں تم، ہُوا جو یہ ساتھ
یہ تھی بات سب آب و دانے کے ہاتھ
یہ کہہ، وہاں سے اُٹھی وہ جوگن اُدھر
دیا تھا جہاں اُس کے رہنے کو گھر
لگی رہنے اُس میں شب و روز وہ
سمجھ جی میں کچھ کچھ دِل افروز وہ
کہا اپنے جی سے کہ سُنتا ہے جی!
نہ گھبرائیو اپنے دل میں کبھی
ببینم کہ تا کردگارِ جہاں
دریں آشکارا، چہ دارد نہاں
غرض اِس طرح اُس کا معمول تھا
کہ اُس شاہِ پریوں کی خدمت میں جا
پہر رات تک ہنستی اور بولتی
ہر اک بات میں قند تھی گھولتی
بجا بین، سب کو رِجھاتی تھی وہ
پہر کے بجے، گھر میں آتی تھی وہ
دلے، کیا کہوں حالِ فیروز شاہ
کہ تھی دن بہ دن اُس کی حالت تباہ
نہ دُنیا کی اُس کو، نہ دیں کی خبر
اُسی کے تصوّر میں شام و سَحَر
اُسی شمع کے گرد پھرنا اُسے
پتنگے کے مانند گرنا اُسے
بہانے سے ہر کام کے روز و شب
وہیں کاٹنے آ کے اَوقات سب
اُسی طرح اَوقات کھونا اُسے
سدا، بین سُن سُن کے رونا اُسے
وہ جوگن بھی سَو سَو طرح کر ادا
ہر اک آن میں اُس کو لیتی لبھا
دلے کچھ بھی پاتی جو حُسنِ طلَب
تو عاشق پہ غُصّہ وہ کرتی غضب
کیا اُس نے پردے میں جب کچھ سوال
دِوانہ کیا اُس کو باتوں میں ڈال

کبھی خوش کیا اور کیا گہ اُداس
کبھی دور بیٹھی، کبھی اُس کے پاس
کبھی تیکھی نظروں سے گھائل کیا
کبھی میٹھی باتوں سے مائل کیا
کبھی ٹیڑھی باتوں سے مارا اُسے
کبھی سیدھے دل سے پکارا اُسے
کبھی ہنس کے دیکھا، ذرا خوش کیا
کبھی ہو کے غمگین، ناخوش کیا
کبھی مُنہ دِکھایا، چھپایا کبھی
کبھی مار ڈالا، جِلایا کبھی
لٹوں میں کبھی دل کو لٹکا دیا
کبھی ساتھ بالوں کے جھٹکا دیا
وہ ہرچند آنکھیں دِکھاتی رہی
یہ نظروں میں دل کو لُبھاتی رہی
بِچارا پری زاد وہ سادہ دل
ادائیں یہ انسان کی مُتَّصِل
اِسی طرح مُدّت گئی جب اُسے
چڑھی گرمیِ عشق کی تب اُسے
نہ[1] مُنہ پہ وہ عالَم رہا اور نہ نور
کئی دن میں دل ہو گیا چور چور
جگر خوں ہو، آنکھوں سے آیا اُبل
گیا دل سب اندر ہی اندر پگھل
یہ دی پردۂ دل سے جی نے صدا
کہ ہے صبر کی اپنے بس اِنتہا
جو کہنا ہے اُس سے، تو کہہ حالِ دل
کہ اب تنگ ہے اپنا اَحوالِ دل
سنبھلتا ہے اب بھی، تو ظالم سنبھل
نہیں، کوئی دم میں چلائیں نکل
مَلا کر تو اب دستِ افسوس کو
پڑا رہ لیے ننگ و ناموس کو

---

[1] یہ شعر نسخۂ فورٹ ولیم میں موجود نہیں۔

یہ سُن جی کا پیغام، مجبور ہو
کہا اپنے نزدیک گو دور ہو
بَلا سے، اگر آن رہتی نہیں
کہ اب بن کہے، جان رہتی نہیں
غرض ایک دن بات یہ ٹھان کر
لگا گھات پر اپنی وہ آن کر
نہ تھا اُس گھڑی کوئی ادھر اُدھر
اکیلی، بڑی جوگن اُس کی نظر
اکیلی اُسے دیکھ، ہو بے قرار
گرا اُس کے پاؤں پہ بے اِختیار
گرا اِس طرح سے قدم پر جو وہ
تو کہنے لگی مُسکرا اُس کو وہ
کہ ہے آج کیا یہ خِلافِ قیاس
گرا اِتنا تو ہو کے کیوں بے حَواس؟
کسی نے ترا دِل ستایا کہیں ؟
دیا، جی کو تیرے لُبھایا کہیں ؟
مرے بیٹھنے سے اَذِیّت ہوئی؟
کہ ہمائیوں کی مُصیبت ہوئی؟
فقیر دِل سے اِتنا نہ ہو تو خفا
چلے ہم، بھلا جا ترا ہو بھلا
اَذِیّت مگر ہم سے پاتا ہے تو
کہ اب پانو بڑ بڑ اُٹھاتا ہے تو
لگا کہنے رُو رُو کے فیروز شاہ
کہ بس بس، یہی تو کہو گی نا، واہ!
تمھاری سمجھ نے تو مارا ہمیں
یہ باتیں نہیں اب گوارا ہمیں
ستائے ہوئے کو ستاتے ہو کیا!
جَلے دل کو، ناحق جَلاتے ہو کیا!
ہوئے تم نہ واقف مرے حال سے
فِدا میں رہا جان اور مال سے
تم اپنا سا مجھ کو سمجھتے رہے
بھلا تم کو اب یہاں کوئی کیا کہے
تم ایسے ہی بے رحم و بے درد ہو
غرض اپنے عالَم میں تم فَرد ہو

یہ سُن، ہنس کے بولی وہ، کہ اپنا حال　　کہ تو کیوں گرا سر کو پاؤں پہ ڈال
کہا تب پری زاد نے: میری جاں!　　کہاں تک کروں رازِ دل کو نہاں
بھلا ہجر میں کب تلک ہوں ملول　　غُلامی میں اپنی مجھے کر قبول
لگی ہنس کے کہنے کہ اک طور سے　　جو میری کہانی سُنے غَور سے
مَطالِب اگر میرے بر لائے تو　　تو شاید مُراد اپنی بھی پائے تو
کہا اُس نے: پھر جلد فرمایئے　　جو کچھ آپ سے ہو، بجا لایئے
کہا اُس نے: یہ ہے مری داستاں　　کہ شہر سراَندیپ ہے اک مکاں
مَلِک ایک وہاں کا ہے مسعود شاہ　　کہ بیٹی ہے ایک اُس کی مانندِ ماہ
جہاں میں ہے بدرِ منیر اُس کا نام　　میں رہتی تھی خدمت میں اُس کی مُدام
بنایا تھا اُس نے الگ ایک باغ　　کہ فِردوس کا تھا وہ چشم و چراغ
جُدا باپ سے تھی وہ اُس جا مُقیم　　سدا سیر کرتی تھی بے خوف و بیم
میں نجم النسا، اُس کی دُختِ وزیر　　ہمیشہ سے ہم راز تھی اور مُشیر
جُدا ایک دن اُس سے ہوتی نہ تھی　　سُلائے بغیر اُس کے، سوتی نہ تھی
خوشی سے سَروکار، غم سے فَراغ　　بہ رنگِ چمن رہتی تھی باغ باغ
کسی طرح کا غم نہ تھا دِھیان میں　　ترقی خوشی کی تھی ہر آن میں
ہوئی ایک دن یہ عجب وارِدات　　کہ اک شخص وارِد ہوا آ کے رات
کہاں تک کہوں، اُس کا قصہ ہے دور　　نہ تھا آدمی، تھا وہ اک رشکِ حور

گیا اُس پہ اُس شاہ زادی کا دل
گئے ایک دونوں وہ آپس میں مل
ولے، عاشق اُس پر کوئی تھی پری
محبّت میں تھی اُس کی وہ بھی بھری
وہاں اُس کے آنے کی سُن کر خبر
خدا جانے پھینکا ہے اُس کو کدھر
دیا، قید میں اُس کو ڈالا کہیں
کہ مُدّت سے اُس کی خبر کچھ نہیں
سو میں کھوج میں اُس کے جوگن ہوئی
یہاں تک تو پہنچی، بِروگن ہوئی
پری زاد آپس میں تم ایک ہو
اگر تم ذرا کھوج اُس کا کرو
تو شاید مدد سے تمھاری ملے
تو پھر آرزو بھی ہماری ملے
دل آباد ہو، جی کو آرام ہو
تمھارا ابھی اِس کام میں کام ہو
کہا تب پری زاد نے: ہاتھ لا
انگوٹھا دکھایا کہ اِترا نہ جا
کہا: پھر یہی کچھ نہیں مہ جبیں!
لگی ہنس کے کہنے: نہیں رے نہیں
یہ سُن، قوم کو اُس نے اپنی بُلا
تقیُّد سے سب کو سُنا کر کہا
کہ جاؤ تو، ڈھونڈو، کرو مت کمی
کہ ہے اک پرستاں میں قید آدمی
جو تم میں سے لاوے گا اُس کی خبر
جواہر کے دوں گا لگا اُس کو پَر
یہ سُن اپنے سردار کا وہ کلام
تجسُّس میں پھرنے لگے صبح و شام
ہُوا ناگہاں ایک کا وھاں گزر
جہاں قید میں تھا وہ خستہ جگر
وہ روتا تھا جو نالہ و آہ سے
تو کچھ آئی اُس کو صدا چاہ سے
کہا: کچھ تو ملتا ہے یہاں سے سُراغ
کہ آتی ہے یہاں بوئے گلزارِ داغ

دے چوکی کے جو دیو تھے جا بہ جا لگا پوچھنے: کس کی ہے یہ صدا؟
کہا: ماہ رُخ کا ہے قیدی یہاں کنویں میں تڑپھتا ہے اک نوجواں
وہ تحقیق کر اور لے وہاں کا بھید اُڑا شہر کو اپنے دیوِ سفید
کیا جا کے فیروز شہ کو سلام جو کچھ دیکھ آیا، سُنایا تمام
کہا: میرا مُجرا ہے، اب لائیے جو دینے کہا تھا، سو دِلوائیے
جو معمول تھا وہاں کے اِنعام کا جواہر کے اُس کو دیے پر لگا

داستان پیغام بھیجنے میں فیروز شاہ کے ماہ رُخ کو

یہ بھیجا پھر اُس ماہ رُخ کو پیام کہ کیوں زیست کرتی ہے اپنی حرام
بنی آدمی کو تو چوری سے لا بِٹھاتی ہے گھر میں تعشّق جتا
ترے باپ کو گر لکھوں تیرا حال تو کیا حال تیرا ہو پھر اے چھنال
عزیز اپنی رکھتی نہیں جان کو ابھی ہے کہ پھونکوں پرستان کو
ترا رنگ غیرت سے اُڑتا نہیں: تجھے کیا پری زاد جُڑتا نہیں:
ہمارا گئی بھول خوف و خطر! لگی رکھنے انسان پہ تو نظر!
بھلا چاہتی ہے تو اُس کو نکال کنویں میں جسے تو نے رکھا ہے ڈال
اور اِس کی قسم کھا کہ پھر گر کہیں لیا نام اُس کا، تو پھر تو نہیں
گیا ماہ رُخ کو یہ فرمان جب ہوئی خوف سے وہ پریشان تب

کہا: مجھ سے تقصیر اب تو ہوئی
کہو، اُس کو لے جائے یہاں سے کوئی
اگر اب میں لاگو ہوں اُس کی کبھی
تو پھر پھونک دیجو پرستاں سبھی
پر اِتنا یہ احسان مجھ پر کرو
کہ اِس کا پرستاں میں چرچا نہ ہو
مرے باپ کو یہ نہ ہووے خبر
کہ پھر میں نہ ایدھر کی ہوں، نے اُدھر
یہ سُن کر جواب اُس کا، فیروز شاہ
چلا حُسب سے اپنی، جہاں تھا وہ ماہ
سرِ چاہ پر جب وہ پہنچا شفیق
کہا اُن کو، تھے وے جو اُس کے رفیق
کہ یہ سنگ اُکھڑے یہاں سے، ہلے
کسی طرح چھاتی سے پتھر ٹلے
کھڑے تھے جو وے دیو وھاں جوں پہاڑ
انھوں نے دیا اپنے سینے کو گاڑ
وہ پتھر جو تھا کوہ سا سنگِ راہ
دیا پھینک وھاں سے اُسے مثلِ کاہ
وہ بادل سا سرکا جو اُس چاہ سے
تو اک نور چمکا شبِ ماہ سے
اندھیرے سے اُس چاہ کے، اُس کا تن
نظر یوں پڑا، جیسے کالے کا مَن
وہ مَن ڈالے اُس میں پڑا تھا جو وھاں
کہا اُس پری زاد نے سب کو: ہاں
نکالو امانت اِسے اِس نمط
کہ لیتے ہیں بو مُشک سے جس نمط
تمھیں اِحتیاط اِس کی ہے اب ضرور
سمجھیو اِسے اپنی پُتلی کا نور

داستان کنوئیں سے نکلنے میں بے نظیر کے

قدح بھر کے لا ساقیِ باتمیز
کنوئیں سے نکلتا ہے یوسف عزیز

گئے دن خزاں کے، اور آئی بہار
مے لعل گوں سے دِکھا لالہ زار
گلابی جھمکتی دِلا دے مجھے
سماں کوئی ایسا دِکھا دے مجھے
کہ وہ ماہِ نَخشَب، کنویں سے نکل
مَنازِل کو اپنی پھرے بَرمَحَل
کوئی دیو تھا وہاں سِکندر نَژاد
کُنویں میں اُتر کر بہ حسبِ مُراد
الگ یوں لے آیا کُنویں سے نکال
کہ فُوّارہ جوں آب کو دے اُچھال
لے آیا وہ جوں خِضر سوگھات سے
نکال آبِ حیواں کو ظُلمات سے
ہوئے مست اُس نازبو سے وہ گُل
کہ نکلا وہ سُنبُل سے مانندِ گُل
اندھیرے سے نکلا وہ روشن بیاں
کہ حرفوں سے جوں ہوویں معنی عَیاں
وہ جیتا تو نکلا، ولے اِس طرح
کہ بیمار ہو نَزع میں جس طرح
زبس اوپر آنے کا تھا اُس کو غم
کہے تو کہ بھرتا تھا اُوپر کا دم
جمی خاک تن پر بہ رنگِ زمیں
گڑا جیسے نکلے ہے پُتلا کہیں
نہ آنکھوں میں طاقت، نہ تن میں تواں
کہ جوں خُشک ہو نرگسِ بوستاں
وہ تن سُرخ جو تھا، سو پیلا ہوا
وہ جوڑا جو تھا سبز، نیلا ہوا
وہ سر میں جو تھے اُس کے سُنبُل سے بال
ہوئے لاغری سے بدن کی وَبال
فَقَط پوست باقی تھا یا اُستُخواں
نہ تھا خون کا رنگ بھی درمیاں
بدن سے رگوں کی تھی اِس ڈھب نَمود
کہ اُلجھی ہو جوں رِیسمانِ کَبود
بدن خُشک و زرد اس طرح تھا وہ گُل
خزاں دیدہ ہو جس طرح برگِ گُل

وہ ناخُن جو تھے اُس کے مثلِ ہلال
سو وہ ہو گئے بڑھ کے بدرِ کمال
یہ دیکھا جو احوال اُس کا تباہ
تو روتا ہوا جلد فیروز شاہ
بٹھا تخت پر اپنے اُس کو وہاں
لے آیا، وہ بیٹھی تھی جوگن جہاں
رکھا تخت اک جا پہ اُس کا چھپا
کہا پھر یہ جا کر کہ نجمُ النسا!
چل اب تو کہ میں اُس کو لایا یہاں
یہ سُنتے ہی گھبرا کے بولی: کہاں؟
دِوانی تھی از بس وہ اُس ناؤں کی
نہ سر کی رہی سدھ، نہ کچھ پاؤں کی
کہا: چل، کہاں ہے، بتا تو مجھے
ذرا اُس کی صورت دکھا تو مجھے
کہا: رہ کے چلیے، ذرا تم رہو
کہ شادی بڑی ہے، کہیں غم نہ ہو
یہ کہہ اور لے ہاتھ میں اُس کا ہاتھ
لے آیا وہ جوگن کو وہاں ساتھ ساتھ
گیا آپ اُس تخت پر بیٹھ، اور
دکھایا اُسے اور کہا: کر تو غَور
جسے ڈھونڈتی تھی، سو یہ ہے وہی؟
کہا: ہاے، ہاں یہ وہی ہے وہی
یہ کہہ، اور اُس تخت کے پاس آ
کہا: اے پری زاد! تو اُٹھ ذرا
کہ اِس تخت کے گرد اک دم پھروں
بَلائیں میں دل کھول کر اِس کی لوں
کہا اُس نے ہنس کر: بھلا دیکھ تو
تو اِس بات پر میرے صدقے بھی ہو
کہا اُس نے تب اپنی جوتی دکھا:
ارے دیو، تو کیوں دِوانہ ہوا!
غرض، وہ پری زاد نیچے اُتر
کھڑا ہو گیا تخت سے ہو اُدھر
یہ اُس تخت کے گرد پھرنے لگی
بَلا اُس کی لے لے کے گرنے لگی

گلے لگ کے رونے لگی زار زار
کیا اپنے تن مَن کو اُس پر نثار

وہ دیکھے جو ٹک آنکھ اُٹھا بے نظیر
تو نجم النّسا ہے یہ دُخترِ وزیر

کہا: تو کہاں اور کس کا یہ جوگ ؟
کہاں یہ لباس اور کہاں تم یہ لوگ؟

کہا: تیرے غم نے دِوانہ کیا
کہ عالَم سے اپنے بِگانہ کیا

بغل کھول کر، دونوں آپس میں مِل
وے رویا کیے دیر تک مُتّصل

بیاں دونوں اپنا جو کرنے لگے
دُرِ اشک سے چشم بھرنے لگے

کہی سَرگُذَشت اُس نے اُس دم تلک
کہ اِس طرح پہنچے ہو تم، ہم تلک

یہ سُن بے نظیر اپنی دل سوز سے
لگا شاد ہونے اُسی روز سے

کیا ایک دن تو اُنھوں نے مُقام
چلے دوسرے دن وے نزدیکِ شام

اُڑے تخت پر بیٹھ کر وہ اُدھر
کہ تھا نقشِ مطلوب اُن کا جدھر

وہ جوگن، وہ فیروز شاہ، اور وہ ماہ
چلے تخت پر بیٹھ اُوپر کی راہ

پڑھے حرفِ مطلب زبس سوچ کر
تو بے کسر بیٹھے مُثَلَّث کے گھر

مُرَبَّع نشیں تھی وہ بدرِ منیر
وہاں اُس کو لائی وہ دُخترِ وزیر

اُتارا اُنھیں، لا درختوں میں تخت
دُوبارا کُھلے اُن درختوں کے بخت

اکیلی اتر وہاں سے آئی اُدھر
لیے سُوگ بیٹھی تھی وہ مہ جدھر

یکایک جو وہ آ قدم پر گری
تو جِھجکی وہ شہ زادی اور کچھ ڈری

پھر آخر جو دیکھا تو جوگن ہے یہ
مرے دردِ غم کی بِروگن ہے یہ

کہا: ہائے نجم النسا، تو ہے جان! اری تیرے صدقے مری مہربان
ہمیں تیرے ملنے کی کب آس تھی کہ جینے سے اپنے ہمیں یاس تھی
بہت اُس نے چاہا کہ ہووے کھڑی کھڑی ہوتے ہوتے ونہیں گر پڑی
کہا: بارِ غم سے افاقت نہیں اری کیا کروں، مجھ میں طاقت نہیں
بلائیں لگی لینے نجم النسا لگی گرد پھرنے بہ رنگِ صبا
اُسے شاہ زادے کا تھا حال یاد جو دیکھا تو یہاں اُس سے کچھ ہے زیاد
نہ گھر کی وہ رونق، نہ اُس کا وہ حال گلوں سے لگا دل تلک پائے مال
پڑے سارے بے داشت دیوار و در محل کہ جو دیکھا تو ٹوٹا سا گھر
خواصیں جو تھیں پاس، وے نازنیں سو مَیلی کُچَیلی کہیں کی کہیں
نہ چوٹی گندھی اور نہ کنگھی درست جو چالاک تھی، بن گئی وہ بھی سست
ہر اک اپنے عالم میں دیکھو تو دنگ اُڑا رنگ چہرے کا مثلِ پتنگ
نہ آپس کی چُہلیں، نہ وہ چہچہے نہ گانا بجانا، نہ وہ قہقہے
غم آلودہ ہر ایک زار و نزار نہ آرام جی کو، نہ دل کو قرار
جو بیٹھیں تو رونا، جو اُٹھیں تو غم غرض بیٹھتے اُٹھتے اُن پر ستم
چمن سارے ویران سے ہیں پڑے شجر گُل کے اک جھاڑ سے ہیں کھڑے
جو خود ہے تو حیران و بیمار سی کہ جوں زرد شیشے کی ہو آرسی
نہ تاب و تواں اور نہ ہوش و حواس ضعیف و نحیف و پریشاں، اداس

یہ دیکھ اُس کا احوال، نجم النسا   جلی شمع کی طرح آنسو بہا
و لیکن محل میں پڑی جب یہ دھوم   کیا مثلِ پروانہ اُس پر ہجوم
سُنی ایک سے ایک نے یہ خبر   مُبارک سلامت ہوئی یک دِگر
کوئی غُنچے کی طرح کِھلنے لگی   کوئی دوڑ کر اُس سے مِلنے لگی
ٹکے کوئی صدقے کے لانے لگی   کوئی سر سے رُوٹی چُھوانے لگی
کوئی آئی باہر سے، گھر سے کوئی   اِدھر سے کوئی اور اُدھر سے کوئی
حقیقت لگی پوچھنے آ کوئی   لگی کرنے آپس میں چرچا کوئی
ہوا سر پہ اُس کے زبس اِزدحام   لگی کرنے گھبرا کے سب کو سلام
کہا: بی بیو! کل کہوں گی میں حال   کہ اب راہ کی ماندگی ہے کمال
وہ اَنبوہ جب کچھ ہوا برطرف   تو پھر دیکھ نجم النسا ہر طرف
کہا: شاہ زادی! تو آتی نہیں   اِدھر اپنی تشریف لاتی نہیں
چلو، چل کے آرام ٹک کیجیے   کچھ اک تم سے کہنا ہے، سُن لیجیے
گئی جب کہ خلوت میں بدرِ منیر   کہا: میں لے آئی ترا بے نظیر
یہ سُنتے ہی، پہلے تو غش کر گئی   کہے تو کہ حیرت میں آ، مر گئی
تعجُّب سے پوچھا کہ سچ سچ ہے یہ   دیا، چھیڑنے کو مرے کچھ ہے یہ
کہا: مجھ کو سوگند اِس جان کی   غلط کہنے والی، میں قُربان کی
نَشاط و خوشی کی خبر یک بہ یک   نہیں مُنہ یہ کہہ بیٹھتے بے دَھڑک

کہا: کیونکے لائی؟ کہا: اِس طرح　　وہ سب کہہ دیا، حال تھا جس طرح
کہا: پھر وہ دونوں کہاں ہیں؟ کہا:　　درختوں میں اُن کو رکھا ہے چھپا
ترا قیدی، جاکر پکڑا لائی ہوں　　پر اک اور یہ بندھوا اُڑا لائی ہوں
عجب وقت میں مَیں ہوئی تھی جُدا　　کہ دِل بر کو تیرے دِیا لا مِلا
مگر ایک یہ آ پڑی بے بسی　　کہ میں تیری خاطر بَلا میں پھنسی
سو اب ایک کو تو لے آتی ہوں میں　　ہَرا دوسرے کو بتاتی ہوں میں
یہ سُن شاہ زادی ہنسی کِھل کِھلا　　کہا: کیوں اُڑاتی ہے نجمُ النّسا!
اری، ایک ہی تو بڑی تیز ہے　　کہیں تو ہے اَمرِت، کہیں زہر ہے
چل اب چُوچلے بس زیادہ نہ کر　　شتابی اُنھیں جاکے لے آ اِدھر
کہا پھر: پری زاد کے روبہ رو　　بغیر از کسی کے کہے، ہو گی تو؟
کہا: وہ تو ایسا دِوانہ نہیں　　وہ اِس بات کو کیا کہے گا، نہیں
اگر دل میں کچھ تیرے وَسواس ہے　　نہیں دور وہ بھی ترے پاس ہے
ذرا پوچھ لیجو تو اِس بات کو　　کہ وہ روبہ رو اُس کے ہو یا نہ ہو
یہ سُن کر، شتابی گئی وہ نگار　　لیا جاکے آہستہ اُن کو پُکار
چھپائے ہوئے لا بٹھایا وہاں　　وہ خَلوت کا جو تھا قدیمی مکاں
پھر اُس سے یہ پوچھا کہ اے مُنیر!　　کہے تو چلی آوے بدرِ منیر
کہا: خیر ہے تجھ کو رشکِ چمن　　چھپے ہے کہیں بھائی سے بھی بہن!

مرا جان و مال اِس پہ قربان ہے
کہ اِس کے سبب سے مری جان ہے
مرا یہ تو ہم دم ہے دن رات کا
مجھے اِس سے پردہ ہے کس بات کا

داستان بے نظیر اور بدرِ منیر کے ملنے اور اُس کے باپ کو بیاہ کا رقعہ لکھنے میں

مرے مُنہ سے ساقی پلا دے شراب
کہ ملتے ہیں باہم مہ و آفتاب
یہ سُن سُن کے باتیں وہ پردہ نشیں
چلی آئی اک ناز سے نازنیں
حیا سے پھر آ کر جو بیٹھی وہ پاس
پھر آئے گویا اُس کے ہوش و حواس
نظر سے نظر جو ملی ایک بار
کیے چشم نے لعل و گوہر نثار
اُدھر اشکِ خونیں، اِدھر چشمِ نم
اُسے اِس کا غم اور اِسے اُس کا غم
نہ وہ رنگ اُس کا، نہ وہ اِس کا حال
تنِ زرد زرد اور رُخِ لال لال
بہم دو خزاں دیدہ گلزار سے
ملے جیسے بیمار بیمار سے
عجب صُحبت آپس میں اُس دم ہوئی
کہ ایسی بھی صُحبت بہت کم ہوئی
وہ نجمُ النسا اور فیروز شاہ
حیا سے کیے اپنی نیچے نگاہ
سرِشکِ محبت بہانے لگے
اِس اَحوال پر حَیف کھانے لگے
اور اک طرف کو شاہ زادہ نڈھال
لگا رونے وہ مُنہ پہ دھر کر رُمال
وہ مجروح دل تھی جو بدرِ منیر
لگی کھینچنے اپنی آہوں کے تیر

چھپا منہ کو اُس طرف سے نازنیں
لگی کرنے تر دامن و آستیں
پڑیں غم کی باتیں جو آ درمیاں
یہ روئے کہ لگ لگ گئیں ہچکیاں
غرض دیر تک مل کے روتے رہے
جدائی کے داغوں کو دھوتے رہے
رخِ زرد پہ اشکِ گُل گوں بہا
بہار و خزاں کو کیا ایک جا
کلیجوں پہ جو داغ تھے بے شمار
سو آنکھوں نے اُن کی دِکھائی بہار
پھر آخر کو نجم النسا وہ شریر
لگی کہنے: سُنتی ہے بدرِ منیر!
کیا چاہتی ہے تو اب قہر کیا!
زیادہ نہ بس اپنی اُلفت جتا
مگر تیری خاطر یہ رویا ہے کم
کہ تو اور رو رو کے دیتی ہے غم
ذرا تن میں آنے دے اِس کے تواں
ابھی اِس کو رونے کی طاقت کہاں
یہ مُردہ سا لائی ہوں میں اِس لیے
کہ دیکھے سے تیرے شتابی جیے
وہاں میں نے اِس کی نہیں کی دَوا
کہ ہے خانۂ یار دار الشفا
لے آئی ہے اِس کو محبّت کی دھن
جیا ہے فقط تیرے ملنے کی سُن
اِسے وصل کی اپنے دارو پلا
کسی طرح اِس نیم جاں کو جِلا
بس اب کچھ خوشی کی کرو گفتگو
خدا پھر نہ تم کو رُلاوے کبھو
نہیں خوش نُما، پاس آئے ہوئے
رہیں دو جنے مُنہ پُھلائے ہوئے
یہ سُن، ہنس پڑے تب وے آپس میں مِل
پڑیں جس طرح پھول گلشن میں کھل
بہم پھر تو ہونے لگے اختلاط
اُپجنے لگے دل سے عیش و نشاط

شب آدھی گئی جب، تو خاصہ منگا   تکلّف سے ہر اک کے آگے دھرا
وہیں خوانِ نعمت کے، آپس میں مل   کیے نوش، حسبِ تمنّائے دل
پھر آخر کو دو دو جُدا ہو گئے   الگ خواب گاہوں میں جا سو گئے
اُٹھائے تھے جو جو کہ رنج و ملال   ہوئے اِس مزے میں وہ خوابِ خیال
الگ ہو کے لیٹے وے دو ماہ رو   ہوئی لیٹے لیٹے عجب گفتگو
وہ گزرا ہوا یاد کر کر کے حال   لگے رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال
کہا شاہ زادے نے اَحوال سب   کنویں میں جو گزرا تھا رنج و تعَب
کہ یوں مَیں اندھیرے میں رُویا کیا   کنویں میں تن اپنا ڈُبویا کیا
نہ پہنچا کوئی میرا فریاد رَس   تڑپھتا رہا دِل بہ رنگِ جرَس
وہ تاریک خانہ مرا گھر رہا   سدا میری چھاتی پہ پتھّر رہا
مَحبّت نے یہ چاشنی زُور دی   کہ تن کے تئیں جیتے جی گُور دی
زمیں سے نکلنے کی کب آس تھی   فلک کے مجھے ہاتھ سے یاس تھی
عجب طرح سے زیست کرتا رہا   تری جان سے دور مرتا رہا
خدا ہی نے تجھ سے مِلایا مجھے   اُٹھا قبر سے پھر جلایا مجھے
دیا شاہ زادی نے رُو رُو جواب   کہ میں نے بھی اک شب یہ دیکھا تھا خواب
ترے داغ کی دل میں جو بو گئی   میں اک رات روتی ہوئی سو گئی
تو کیا دیکھتی ہوں کہ صحرا ہے ایک   اور اُس دشتِ ہُو میں کنواں سا ہے ایک

صدا وھاں سے آتی ہے: بدرِ منیر!　　ادھر آ کہ یھاں قید ہے بے نظیر
میں ہر چند چاہا، کروں تجھ سے بات　　ولے، کی گئی وھاں نہ کچھ مجھ سے بات
مری جان گو اُس طرف ڈھل گئی　　اُسی دم مری آنکھ پھر کھل گئی
عجب اُس گھڑی مجھ پہ گزرا قلق　　کہ دل اور جگر ہو گیا میرا شق
اُسی دن سے یہ حال پہنچا مرا　　کہ مرتی رہی نام لے لے ترا
نہ دیتا تھا گو کوئی تیری خبر　　ولے تھا ترے غم سے دل کو اثر
گزرتا تھا وھاں تجھ پہ جو صبح و شام　　وہ اندھیر تھا مجھ پہ روشن تمام
نہ کہتی تھی میں گرچہ دردِ نہاں　　شب و روز جلتی تھی میں شمع ساں
عجب طرح سے زیست کرتی تھی میں　　کہ اُس زیست کرنے سے، مرتی تھی میں
اُسی غم میں رہتی تھی لیل و نہار　　کہ کیونکر ملاوے گا پروردگار
مری شکل پہ رو کے نجم النسا　　گئی اِس طرح حال اپنا بنا
پھر آگئے تو معلوم ہے تم کو سب　　کہ ہم تم ملے پھر اُسی کے سبب
یہ آپس میں کہہ حالِ دل، رو اُٹھے　　وہ کہنے کو سوئے تھے بس سو اُٹھے
جو ملتے ہیں بچھڑے ہوئے ایک جا　　اُنھیں نیند باتوں میں آتی ہے کیا!
پری زاد، نجم النسا، وھاں جدے　　الگ خوابگاہوں میں جا سو گئے
گئی رات حرف و حکایات میں　　سحر ہو گئی بات کی بات میں
شبِ وصل کی جو سحر ہو گئی　　تو شوقوں کو گویا خبر ہو گئی

(نوٹ ص ۱۳۳ پر دیکھیے)

لیا ماہ نے اپنے مُنہ پر نقاب
اُٹھا بسترِ خواب سے آفتاب
صَبوحی کو اُٹھتا ہے جیسے مُدام
شرابِ شَفَق سے بھرے اپنا جام
لیے روز کو ساتھ آنے لگا
وہ سوتوں کو شب کے جگانے لگا
ہُوا چشم وا جب وہ مژگاں دراز
سپید و سیہ میں ہوا اِمتیاز
گیا عُقدۂ صُبح اُس دم جو کُھل
نکل آئے ادھر اُدھر سے وہ گُل
اُٹھے جب کہ آپس میں گُل فام دو
گئے باری باری سے حمّام دو
دوبارا کیا اُس نے اپنا سنگار
چمن میں نئے سر سے آئی بہار
وہ جوگن ہوئی تھی جو نجمُ النّسا
جمی گرد اپنے بدن سے چھُڑا
نہا دھو کے نکلی عجب آن سے
کہ اَلماس نکلے ہے جوں کان سے
نہانے سے نکلا عجب اُس کا روپ
نکل آئے بدلی سے جس طرح دھوپ
ولے، آگ اُس نے لگائی یہ اور
کہ پوشاک کی طرح لالہ کے طَور
جلانے کو عاشق کے، دِکھلا پھبن
لیا سُرخ لاہی کا جوڑا پہن
تمامی کی سنجاف اُس کو لگا
طِلا کی طرح سے دیا جگمگا
اُسی رنگ کے ساتھ کا سب لباس
تصوّر میں ہو سُرخ جس کے قیاس
بھبھو کا سا تن اور وہ مُنہ کی دمک
کہ جوں شعلہ آتش سے اُٹھے بھڑک

(نوٹ متعلق ص ۱۳۲)

۱؎ یہ شعر نسخۂ فورٹ ولیم میں موجود نہیں۔

نکیلی وہ اُٹھی ہوئیں چھاتیاں
پھریں اپنے جوبن میں اِتراتیاں

گلے کی صفائی، وہ کُرتی کا چاک
تڑاقے کی انگیا کسی ٹھیک ٹھاک

وہ کَنچَن سی اُس میں کُچیں لال لال
بھرے رنگ کے قُمقُمے کی مثال

نلاہٹ وہ بھٹنی کی اُس سے نمود
کہ جوں سُرخ چہرے پہ خالِ کبود

کہے تو، لیے اپنے مُنہ پر نقاب
شفق میں چھپے جوں مہ و آفتاب

بنت گرد کیونکر نہ اس کے پھرے
کہ وہ ڈھالگو گھرو لہر کھا کر گرے

وہ پاجامۂ سبز کمخاب اور
دوپٹا بنارس کا، سورج کے طور

جواہر سجا اپنے موقع سے کُل
ترشح میں ہو جیسے نم دیدہ گُل

وہ کنگھی کھنچی اور وہ ابرو کھنچے
ہر اک اینٹھ میں اپنی ہر سو کھنچے

کھجوری وہ چوٹی، زری کا مُباف
کہ جوں دُود کے بعد شعلہ ہو صاف

عروسانہ اُس نے کیا جو لباس
تو آنے لگی خون کی اُس میں باس

بنی جب کہ اِس رنگ وہ رشکِ حور
چلی آئی فیروز شہ کے حُضور

پری زاد تو قتل ہی ہو گیا
کہے تو، کوئی جان ہی کھو گیا

حیا سے نہ کی بات، نے کچھ کہا
ولے، جی سے قربان اُس پر رہا

وہ بن ٹھن کے آپس میں رہنے لگے
بہم رازِ دل اپنا کہنے لگے

خوشی سے ہوئے بس کہ سرسبز دل
لگے سبزیاں پینے آپس میں مل

ضیافت بہم مل کے کھانے لگے
وہ غم کھانے اُن کے، ٹھکانے لگے

چھپے عیش و عشرت وہ کرتے رہے
یہ غیروں کے چرچے سے ڈرتے رہے
اگرچہ ہر اک وصل سے شاد تھا
ولے، ہجر کا غم اُنھیں یاد تھا
یہ ٹھہرا کے نکلے وہ دو ماہ رو
کہ اِس بات کو کیجیے ایک سو
غضب ہے جو یوں ہیں دوبارا رہیں
چھپے کب تلک آشکارا رہیں
سہی ہے یہ تکلیف، آرام کو
پئے ناکامیاں ورنہ کس کام کو
نصیب اِس طرح سے جو یاری کریں
عَیاں کیوں نہ ہم خواستگاری کریں
جب آپس میں یہ مشورے ہو گئے
اِدھر اور اُدھر مِل کے وے دو گئے
وہ نجمُ النسا اور وہ بدرِ منیر
کچھ اک کر بہانہ وے دونوں شریر
رہیں گھر میں پھر جا کے ماں باپ کے
کہ دیکھیں گے ہم اب قدم آپ کے
نکل بے نظیر اور فیروز شاہ
کسی شہر میں رکھ کے فوج و سپاہ
کر اسباب سب سلطنت کا دُرست
پھر آئے اُسی جا پہ چالاک و چُست
وہاں کا جو تھا شاہ انجمُ سپاہ
جسے لوگ کہتے تھے مَسعُود شاہ
کیا نامہ یوں ایک اُس کو رَقم
کہ اے شاہِ شاہان و اے فخرِ جم!
فریدوں مثال و سکندر نَژاد
مُرادِ جہان و جہاں را مُراد
جہانِ شجاعت، زَمانِ کرم
دلِ رُستمِ گرد، حاتم ہِمَم
یہیں وارد ہوا اک مکاں سے غریب
لے آئے ہیں مجھ کو مرے یہاں نصیب
نَوازِش سے اپنی کرم کیجیے
غُلامی میں اپنی مجھے لیجیے

ہمیشہ سے ہے راہ و رسمِ جہاں — کہ وابستہ یوں ہی ہے کارِ جہاں
جہاں پر ہے روشن کہ مَیں ماہ ہوں — مَلِک زادہ ابنِ مَلِک شاہ ہوں
ہر اک مجھ سے واقف ہے بُرنا و پیر — کہ ہے نام میرا شہِ بے نظیر
بیاں سب کیا ماضی و حال کا — تجمّل لکھا فوج و اَموال کا
جتا کر بہت عجز اور انکسار — لکھا یہ بھی اک حرف آخر کی بار
کہ جو ہووے برعکسِ شرعِ شریف — وہ ہے اپنے مذہب میں اپنا حریف
اگر مانیے خیر تو مانیے — نہیں، آپ آیا ہمیں جانیے
گیا یہ جو مسعود شہ کو پیام — سُنا اور پڑھا خط کا مضموں تمام
سمجھ اُس کا مضمون مسعود شاہ — کہ اتنی ہے فوج اور یہ کچھ ہے سپاہ
اگر جنگ ہو، تو بڑی جنگ ہو — پھر اس میں خدا جانے کیا رنگ ہو
اور آخر یہی ہے زمانے کی چال — کہ پیوند ہوتے ہیں باہم نہال
نہ تازی یہ کچھ رسم پیوند ہے — ہمیشہ سے عالم بَرومند ہے
لکھا نامہ اُس کو وو نہیں درجواب — کہ عاقل کو نکتہ لگے ہے کتاب
لکھا بعدِ حمد و ثنائے خدا — پس از نعتِ احمدؐ، شہِ انبیا
کہ نامہ تمھارا جو سربستہ تھا — وہ رازِ نہاں اپنے ہاتھوں کھلا
شریعت کے عالم میں مجبور ہیں — نہیں، اپنے نزدیک ہم دور ہیں
اگر ہم کبھی اپنی بانی پر آئیں — تمھارے فلک کو نہ خاطر میں لائیں

ابھی گھر سے نکلے ہو لڑکوں کے طَور
نہیں نیک و بد پر تمہیں اپنے غَور
کسی پاس دولت یہ رہتی نہیں
سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں
وے کیا کریں، رسمِ دُنیا ہے یہ
وگرنہ، گھمنڈ آپ کا کیا ہے یہ
زبس ہم کو ہے پاسِ شرعِ رسولؐ
سو اِس واسطے کرتے ہیں ہم قبول
خلافِ پیمبر[2] کسے رہ گُزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
اک اچھی سی تاریخ ٹھہرایئے
دِیا حُکم ہم نے تمہیں، آیئے
گیا ایلچی لے کے نامہ اُدھر
اُڑی ہر طرف یہ خوشی کی خبر
سُنی یہ جو نامے کی گُفت و شُنید
ہوئی شاہ زادے کو گویا کہ عید
کُشادہ ہوئے دل، جو تھے غم سے تنگ
اُسی دن سے ہونے لگے راگ و رنگ
ہوئیں برطرف سب دل آزاریاں
لگیں ہونے شادی کی تیاریاں
بُلا شُگنیوں کو، بتا سال و سِن
مُقرّر کیا نیک ساعت سے دِن

داستان بے نظیر اور بدرِ منیر کے بیاہ اور اُس کے تجمّل میں

کدھر ہے تو اے ساقیِ گُل بدن!
دھری آج اُس شمع رو کی لگن
بُلا مُطرِبانِ خوش آواز کو
کہ آویں لیے اپنے سب ساز کو
وہ اسباب شادی کا تیار ہو
مُکرّر نہ پھر جس کی تکرار ہو

بڑی خواہشوں سے جب آیا وہ روز
چڑھا بیاہنے وہ مہِ شب فروز
محل سے نکل، جب ہوا وہ سوار
بجے شادیانے بہم ایک بار
کروں اُس تجمّل کا کیوں کر بیاں
کہ باہر ہے تقریر سے وہ سماں
وہ دولھا کے اُٹھتے ہی اک غُل پڑا
لگا دیکھنے اُٹھ کے چھوٹا بڑا
کوئی دَوڑ گھوڑوں کو لانے لگا
کوئی ہاتھیوں کو بِٹھانے لگا
لگا کہنے کوئی: اِدھر آئیو
ارے، رتھ شتابی مری لائیو
کسی نے کسی کو پکارا کہیں
نہ لانے پہ میانے کے مارا کہیں
کوئی پالکی میں چلا ہو سوار
پیادوں کی رکھ اپنے آگے قطار
جو کثرت میں دیکھا کہ گاڑی نہیں
کوئی مانگے تانگے پہ بیٹھا کہیں
سپر اور قبضے کھڑکنے لگے
سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے
ٹکورے وہ نوبت کے اور اُن کے بعد
گرجنا وہ دھونسوں کا مانندِ رعد
وہ شہنائیوں کی سہانی دُھنیں
جنھیں گوشِ زہرہ مُفصّل سُنیں
ہزاروں تمامی کے تختِ رواں
اور اہلِ نشاط اُن پہ جلوہ کُناں
وہ طبلوں کا بجنا اور اُن کی صدا
وہ گانا کہ "اچھا بنا لاڈلا"
وہ نوشہ کا گھوڑے پہ ہونا سوار
وہ موتی کا سہرا، جواہر کا ہار
ٹھہر کر وہ گھوڑے کا چلنا سنبھل
ہُما کے وے دونوں طرف مورچھل
وہ فانوسیں آگے زمرّد نگار
کہ ہو سبز مینا جنھوں پہ نثار

دو رستہ جو روشن چراغاں ہوئے
پتنگے خوشی سے غزل خواں ہوئے
ہوا دل جو روشن چراغاں سے
پڑھے شعر نوریؔ کے دیوان سے
چراغوں کے ترپولیے جا بہ جا
اور اُن میں وہ بازاریوں کی صدا
کوئی پان بیچے، کھلونے کوئی
کوئی دال موٹھ اور سلونے کوئی
تماشائیوں کا جدا اک ہجوم
پتنگے گریں جوں چراغاں پہ جھوم
کڑکنا وہ نوبت کا باجوں کے ساتھ
گرجنا وہ دھونسوں کا ڈنکوں کے ہاتھ
براتی اِدھر اور اُدھر جوق جوق
وہ آوازِ سُرنا اور آوازِ بوق
وہ کالے پیادے اور اُن کی نفیر
کہ تا چرخ پہنچے صدا دل کو چیر
وہ آرایش اور گُل کئی رنگ کے
وہ ہاتھی کہ دو دیو تھے جنگ کے
وہ ابرک کے گنبد، وہ مینے کے جھاڑ
کہے تو کہ تنکے کے اوجھل پہاڑ
دو رستہ برابر برابر وہ تخت
کسی پہ کنول اور کسی پر درخت
وہ رنگیں کنول اور وہ شمع و چراغ
کھلے جس طرح لالۂ نور باغ
جہاں تک نظر آوے اُن کی قطار
طلسمات کی سی ہوا پر بہار
اناروں کا دغنا، چھچھپے کا زور
ستاروں کا چھٹنا، پٹاخوں کا شور
اُڑایا ستاروں کو جو آگ نے
تو ہاتھی لگے بن کو پھر بھاگنے

یہ شعر نسخۂ فورٹ ولیم میں موجود نہیں۔

وہ مہتاب کا چھوٹنا بار بار — کہ ہر رنگ کی جس سے دونی بہار
دھواں چھپ گیا نور میں نور ہو — سیاہی اُڑی شب کی کافور ہو
سراسر وہ مشعل کے ہر طرف جھاڑ — کہ جوں نور کے مُشتعِل ہوں پہاڑ
زری پوش سردار سب یک دِگر — پھریں برق کی طرح ادھر اُدھر
کہے تو کہ نزدیک اور دور سے — زمین و زماں بھر گیا نور سے
جب آئی وہ دُلہن کے گھر پہ برات — کہوں وہاں کے عالم کی کیا تجھ سے بات
ہوا وہاں کی صحبت کی رشکِ بہشت — دھرے تخلخے گرد عنبر سرشت
کھڑے بادلوں کے وہ خیمے بلند — کریں عالمِ نور جس کو پسند
عجب مسند اک جگمگی اور فرش — تمامی کے عالم کا چوگور فرش
بلوریں دھرے شمع داں بے شُمار — چڑھیں موم کی بتّیاں چار چار
نئے رنگ کے اور نئے طور کے — دھرے ہر طرف جھاڑ بِلّور کے
تماشائیوں کی یہ کثرت تھی بس — ملے ایک سے ایک سب پیش و پس
دو زانو زری پوش بیٹھے تمام — شرابِ خوشی کے کیے نوش جام
وہ دولھا کا مسند پہ جا بیٹھنا — برابر رفیقوں کا آ بیٹھنا
طوائف کا اُٹھنا اک انداز سے — دکھانی وہ آ صورتیں ناز سے
کروں راگ اور ناچ کا کیا بیاں — قدیمی کسی وقت کا سا سماں
وہ اربابِ عشرت کا آپس میں مل — جمانا کھڑے راگ کا دے کے دِل

وہ ایمن کی لہریں اِدھر اور اُدھر
ملے سُر طنبوروں کے بایک دِگر
اور اُس صف سے اک چھوکری کا نکل
جتانا ہُنر اپنا پہلے پہل
اُلٹنا دوپٹے کا دے دے کے تال
وہ بوٹا سا قد اور وہ گھنگرو کی چال
کبھی پَرَملو میں دکھانی ادا
کہ جوں ٹوٹ کر ہوئے بجلی ہوا
کبھی گت سری ناچنا ذوق سے
کہ تیورا کے عاشق گرے شوق سے
اِدھر کی تو یہ گت اور اُس کا سبھاو
اُدھر اوٹ میں نایکا کا بناو
کھڑی ہو کے، دو گھونٹ حقّے کے لے
چبا پان اور رنگ ہونٹھوں پہ دے
انگوٹھے کی لے سامنے آرسی
وہ صورت کو دیکھ اپنی گلزار سی
اُلٹ آستیں اور کُہنی کے چاک
نئے سر سے انگیا کو کر ٹھیک ٹھاک
بنا کنگھی اور کر کے ابرو دُرست
جھٹک دامن اور ہو کے چالاک و چُست
دوپٹے کو سر پر اُلٹ اور سنبھل
یکایک وہ صف چیر آ نا نکل
پکڑ کان اور گھنگروؤں کو اُٹھا
پہن پانْو میں اور سر سے چھُوا
اِدھر اور اُدھر رکھ کے کاندھے پہ ہاتھ
چلے ناچتے آنا سنگت کے ساتھ
فتح چند کے ہاتھ کی مورت ایک
نچائی ہوئی چاند سی صورت ایک
کبھی ناچنا اور گانا کبھی
رِجھانا کبھی اور بتانا کبھی
خوش آوازیاں اور گانا خیال
دِکھانا ہر اک دم میں اپنا کمال
وہ شادی کی مجلس، وہ گانے کا رنگ
وہ جی کی خوشی اور وہ دل کی ترنگ

وہ پھولوں کے گہنے، کناری کے ہار — وہ بیٹھی ہوئی رنڈیوں کی قطار
وہ بیڑوں کے پتّے پڑے ہر طرف — غمِ دل جسے دیکھ ہو برطرف
اِدھر کا تو یہ رنگ تھا اور یہ راگ — محل میں اُدھر گھوڑیاں اور سُہاگ
وہ گہرے سے شادی مبارک کے ڈھول — وہ ٹونے سلونے، وہ میٹھے سے بول
اُترنے کی دھاں سمدھنوں کے چھبن — کھلیں پھول جیسے چمن در چمن
گلوں میں پہننا وہ ہنس ہنس کے ہار — سَٹائٹ وہ پھولوں کی چھڑیوں کی مار
دِکھانا وہ بن بن کے اپنا بناو — وہ آپس کی رسمیں، وہ آپس کے چاو
قہاقے، ہنسی، شور و غُل، تالیاں — سُہانی سُہانی نئی گالیاں
غرض کیا کہوں تاب مجھ میں نہیں — نہ دیکھے گا عالم کوئی یہ کہیں

داستان بے نظیر کے براتیوں کے ہار پان کی تقسیم میں

جھکا ہوں نشے میں بہت ساقیا — مجھے بدلے اب مے کے، شربت پلا
کسی پر نہ ایسا ہو جو بار ہوں — کہ پھر میں گلے کا ترے ہار ہوں
ہُوا جب نکاح اور بٹے ہار پان — پلا سب کو شربت، دیے پان دان
اُٹھا پھر تو نوشہ وہ بعد از نکاح — محل میں بُلانے کی ٹھہری صلاح
چلا یوں وہ دولھا دلھن کی طرف — پھرے جیسے بلبل چمن کی طرف
وہاں تک پہنچتے ہوئے کیا کہوں — ہوئے ٹوٹکے لاکھ بہرِ شگوں

ہوا لیکن اُس وقت دُگنا مزا کہ دولھا دُلھن جب ہوئے ایک جا
عَروسی وہ گہنا، وہ سُوہا لباس وہ مہندی شہانی، وہ پھولوں کی باس
مَلا سُرخ جوڑے پہ عِطرِ سُہاگ کُھلے مِل کے آپس میں دونوں کے بھاگ
دِکھا مُصحف اور آرسی کو نکال دھرا بیچ میں سر پہ آنچل کو ڈال
نہ تھا وصل اِس طرح کا دھیان میں خدا نے کیا آن کی آن میں
عجب قدرتِ حق نُمایاں ہوئی جسے آرسی دیکھ حیراں ہوئی
وہ جَلوے کا ہونا، وہ شادی کی دھوم وہ آپس میں دولھا دُلھن کی رُسوم
کسی نے پسائی سرونج آن کر کوئی گالی ہی دے گئی جان کر
گئی کوئی دھاں گال سے کچھ لگا گئی کوئی دُلہن کی جُوتی پہ چُھوا
وہ شیریں جو بیٹھی تھی شیریں بنی نُبات اُس کی چُننی بنے کو بنی
چُنائی نُبات اُس کو اِس گھات سے کہ ڈَہکا دیا ہر گھڑی بات سے
زبس دل تو تھا اُس کا ہر جا پہ بند سبھی جا سے اُس نے چُنی، کر پسند
اُٹھائی ڈلی اُس کی آنکھوں سے یوں کریں نوش بادام شیریں کو جوں
ڈلی وہ جو ہونٹھوں کی تھی لب مِلی وہ مصری کی مُنہ سے اُٹھالی ڈلی
کمر سے اُٹھائی ڈلی اِس طرح کہ ہاں ہوں نہیں کی نہیں جس طرح
ذرا پانو پر کی اُٹھاتے اَڑا نہیں اور ہاں کا عجب غُل پڑا
یہ ظاہر کی تکرار تھی بار بار وگرنہ دل اُس پانو پہ تھا نثار

عجب طرح کی رنگ رَلیاں ہوئیں کہ باتیں وہ مصری کی ڈلیاں ہوئیں
وہ سب ہو چکی جب کہ رسم و رُسوم سواری کی ہونے لگی پھر تو دھوم
سحر کا وہ ہونا، وہ ٹُونے کا وقت وہ دُلہن کی رخصت، وہ رونے کا وقت
کھڑے سب کا لاچار مُنہ دیکھنا کہ یارب، یہ کیا ہے جہاں پیکھنا!
وہ دُلہن کا رو رو کے ہونا جُدا وہ ماں باپ کا اور رُونا جُدا
نکلتے وہ جانا محل سے جہیز کہ جوں چشم سے اشک ہو مَوج خیز
یہاں موت ہے اہلِ عرفان کو کہ جانا ہے اک دن یونہیں جان کو
وے، جو دردمندی سے ہیں آشنا وے شادی کا لیتے ہیں غم سے مزا
وہ دولھا کا دُلہن کو گودی اُٹھا بِٹھانا محافے میں آخر کو لا
چلے لے کے چَوڈُول جس دم کہار کیا دُو طرف سے زر اُس پر نثار
کھڑے تھے جو دھا چشم کو تر کیے سو مُوتی اُنھوں نے نچھاور کیے
اِدھر اور اُدھر اپنے سہرے کو چیر وہ اک چاند سا مُنہ دکھلا بے نظیر
سوار اپنے گھوڑے پہ ہو کر شتاب کہ جوں صُبح ہووے بلند آفتاب
دِکھاتا ہوا حشمت و عُظم و شان لیے ساتھ ساتھ اپنے نَوبت نشان
وہ پیچھے تو چَوڈُوں میں رشکِ ماہ اور آگے وہ خورشیدِ عالَم پناہ
پھرا گھر کو اپنے قدم با قدم سواری لگا گھر میں اُترا صنم
غرض اِس طرح جب وہ دُلہن بیاہ لے آیا، جہاں اُس کی تھی عیش گاہ

ہوئی وہ جو ہونی تھی رسم و رسوم
کہ ظاہر میں تھی یہ بھی درکار دھوم
اُٹھایا اُسی دھوم میں لگتے ہاتھ
پری زاد کا بیاہ جو تھی کے ساتھ
وہ نجم النسا، تھی جو دُختِ وزیر
گیا اُس کے والد کنے بے نظیر
کہا باپ کو اُس کے: اے خیر خواہ!
مرا بھائی ہے ایک فیروز شاہ
سو میں تجھ سے رکھتا ہوں اک اِلتجا
کہ تو اُس کو فرزندی میں اپنی لا
غرض ہر طرح کر رضا مند اُسے
کیا جال میں اپنے پابند اُسے
پری زاد تھا وہ جو فیروز شاہ
دیا اُس کو نجم النسا سے بیاہ
اُسی دھوم سے اور اُسی فوج سے
اُسی شان سے اور اُسی اَوج سے
وہی سب تجمّل، وہی سب رُسوم
ہوئی تھی جو کچھ بیاہ میں اُس کے دھوم
دَقیقہ نہ چھوڑا کسی بات میں
برابر رکھی چہل دن رات میں
اُسی طرح اُس کو بیاہا غرض
جو کچھ قول تھا، سو نباہا غرض
خُدا راست لایا انھوں کے جو کام
بر آئے دلوں کے مطالب تمام
ہوئیں مُتّصِل یہ جو دو شادیاں
بسیں ایک جا چار آبادیاں
پھرے دن، تو اپنے وطن کو پھرے
وہ آشفتہ بُلبُل، چمن کو پھرے
خوشی سے لیے حُرمت و جان و مال
چلے شہر کو اپنے وے حال حال
وہ نجم النسا اور وہ فیروز شاہ
فلک پر سے ہو مثلِ خورشید و ماہ
رضا اُن سے لے کر اُسی آن میں
گئے شاد و خُرّم پرستان میں
یہ اقرار چلتے ہوئے کر گئے
کہ گو، تم اُدھر اور ہم ادھر گئے

تم اس غم سے مت ہو جیو سینہ ریش کہ ہم تم سے ملتے رہیں گے ہمیش
تسلی وہ یہ دے کے اودھر چلے یے ایدھر لیے اپنا لشکر چلے

داستان بے نظیر کے بدرِ منیر کو اپنے وطن لے جانے اور ماں باپ سے ملاقات کرنے اور کتاب کی تمامی میں

پلا ساقیا آخری ایک جام کہ ہوتی ہے بس یہ کہانی تمام
وے نزدیک پہنچے جب اُس شہر کے کیا پاس جا خَیمہ اِک نہر کے
کیا جب کہ خَلقت نے تفتیشِ حال اور آنکھوں سے دیکھا وہ بدرِ کمال
پڑا شہر میں یک بہ یک پھر یہ غُل کہ غائب ہوا تھا، سو آیا وہ گُل
خبر یہ ہوئی جب کہ ماں باپ کو کیا گُم اُنھوں نے وو نہیں آپ کو
زبس دل تو تھا یاس ہی سے بھرا یہ سُن، ہاتھ اور پانو گئے تھرتھرا
لگے رونے آپس میں زار و نزار کہا: ہاے، ہم کو نہیں اِعتِبار
مِلاویں گے ہم سے ہمارا حبیب یہ دشمن نہیں اپنے ایسے نصیب
یہ ہوگا کوئی دشمنِ مُلک و مال سو میں آپ ہی ہوں گرفتارِ حال
کوئی اِس کا وارِث تو آخر نہیں وہی لے کے جاوے یہ جھگڑا کہیں
کہا سب نے: صاحب! چلو تو سہی یہ بیٹا تمھارا وہی ہے وہی
مُکرّر سُنا جب کہ بیٹے کا نانو چلا پھر تو روتا ہوا ننگے پانو
وہ آتا تھا، جیسے کہ بیٹا اِدھر پڑی باپ پر جو یکا یک نظر
جو نہیں اپنے کعبے کو دیکھا رواں چلا سر کے بل بے نظیرِ جہاں

گرا پاؤ پہ کہہ کے یہ باپ کے :
خدا نے دکھائے قدم آپ کے
سُنی یہ صدا جونہیں اُس ماہ کی
تو اُس غم رسیدہ نے ایک آہ کی
اٹھا سر قدم پر سے چھاتی لگا
لپٹ کے گھڑی دو تلک خوب سا
یہ رویا امیر رویا کہ غش کر چلا
کہے تو کہ آنسو کا لشکر چلا
ملے پھر تو آپس میں وے خوب سے
کہ یوسفؑ ملا جیسے یعقوبؑ سے
وہ گُل گُل شگُفتہ ہوا گُل کی طرح
یہ گُل کی طرح اور وہ بلبل کی طرح
ہوئے شاد و خُرّم صَغیر و کبیر
ملے لے کے نذریں امیر و وزیر
مےِ عیش سے سب کو مستی ہوئی
نئے سر سے آباد بستی ہوئی
بڑی دھوم سے اور بڑی آن سے
بجاتے ہوئے نوبتیں شان سے
وہ پھولا جو تھا ہجر کے داغ میں
ہوئے جا کے داخل اُسی باغ میں
زنانی سواری اُتروا کے ساتھ
پکڑ اُس گُلِ نو شگُفتہ کا ہاتھ
درآمد ہوا گھر میں سروِ رَواں
لیے ساتھ اپنے وہ غُنچہ دہاں
کہ اِتنے میں آگے نظر جو پڑی
تو دیکھا کہ ماں راہ میں ہے کھڑی
بہی چشم سے آنسوؤں کی قطار
گرا ماں کے پاؤں پہ بے اِختیار
وہ ماں، خوب بیٹے کے لگ کر گلے
یہ روئی کہ آنسو کے نالے چلے
بہو اور بیٹے کو چھاتی لگا
اور اُن دونوں کے ہاتھ باہم مِلا
ہوئی جان اور جی سے اُن پہ نثار
پیا پانی اُن دونوں پہ وار وار
جگر پر جو تھے درد اور غم کے داغ
بُجھے وصل سے ہجر کے وے چراغ

سب آپس میں رہنے لگے مل ملا
پھر آئے چمن میں وہ گل کھل کھلا
وہ آنکھیں جو اندھی تھیں، روشن ہوئیں
زمینیں جو تھیں خشک، گلشن ہوئیں
زبس باپ ماں کو تھی سہرے کی چاہ
دوبارہ اُنھوں نے کیا اُس کا بیاہ
لکھوں گر میں اُس بیاہ کی دھوم دھام
تو پھر یہ کہانی نہ ہووے تمام
بنا اُن کی تقدیر کا جو بناؤ
نکالے اُنھوں نے یہ سب دل کے چاؤ
وہ جیسی کہ اُس باغ میں تھی خزاں
بسے آ کے پھر اُس میں سب گل رُخاں
محل میں عجائب ہوئے چہچہے
وہ مُرجھائے گُل، پھر ہوئے لہلہے
ہوا شہر بر فضلِ پروردگار
وہی شاہ زادہ، وہی شہریار
وہی لوگ اور وہی چرچے تمام
وہی ناز و انداز کے اپنے کام
وہی بلبلیں اور وہی بوستاں
شگفتہ گُل و مجمعِ دوستاں

انھوں کے جہاں میں پھرے جیسے دن
ہمارے تمھارے پھریں ویسے دن
ملیں سب کے بچھڑے الٰہی تمام
بہ حقِ محمد علیہ السّلام
ہوئے جیسے وہ شاد، ہوں شاد ہم
رہیں شہر میں اپنے آباد ہم
رہے شاد نوّاب عالی جناب
کہ ہے آصف الدّولہ جس کا خِطاب
خوشی اُس کی ہے سروِ باغِ مُراد
رہے روشن اُس کا چراغِ مُراد
بہ حقِ حُسینؑ و اِمامِ حسنؑ
رہوں شاد میں بھی غلامِ حسن
ذرا منصفو! داد کی ہے یہ جا
کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا
زبس عُمر کی اِس کہانی میں صرف
تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
جوانی ملی جب بن گیا ہوں میں پیر
تب ایسے ہوئے ہیں سخن بے نظیر

نہیں مثنوی، ہے یہ اک پھلجڑی
مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی
نئی طرز ہے اور نئی ہے زباں
نہیں مثنوی ہے یہ سحر البیاں
رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام
کہ ہے یادگارِ جہاں یہ کلام
ہر اک بات پر دل کو میں خوں کیا
تب اِس طرح رنگیں یہ مضموں کیا
اگر واقعی غور ٹک کیجیے
صلہ اِس کا، کم ہے، جو کچھ دیجیے
غرض جس نے اِس کو سُنا، یہ کہا:
حسنؔ! آفریں، مرحبا، مرحبا!
جو منصف سُنیں گے، کہیں گے سبھی:
نہ ایسی ہوئی ہے، نہ ہوگی کبھی
مِرے ایک مُشفِق ہیں مرزا قتیلؔ
کہ ہیں شاہ راہِ سخن کے دلیل
سُنی مثنوی جب یہ مجھ سے تمام
دیا اِس کی تاریخ کو انتظام
زبس شعر کہتے ہیں وہ فارسی
ہر اک شعر اُن کا ہے جوں آرسی
اُنھوں نے بشتابی اُٹھا کر قلم
یہ تاریخ کی فارسی میں رقم:
"بہ تفتیشِ تاریخِ ایں مثنوی
کہ گفتش حسنؔ، شاعرِ دِہلوی
زدم غوطہ در بحرِ فکرِ رسا
کہ آرم بکف گوہرِ مُدّعا
بگوشم ز ہاتف رسید ایں ندا
بریں مثنوی باد ہر دل فدا"
۱۱۹۹ھ
میاں مصحفیؔ کو جو بھایا یہ طور
اُنھوں نے بھی کر فکر از راہِ غور
کہی اِس کی تاریخ یوں برمحل:
"یہ بُت خانۂ چین ہے بے بدل"
۱۱۹۹ھ
سُنی[1] جب کہ ماہرؔ نے یہ مثنوی
تو محظوظ ہو، فکرِ تاریخ کی
یہ مصرع پڑھا وہیں پا کر فرح:
"ہے اِس مثنوی کی یہ نادر طرح"
۱۱۹۹ھ

---

[1] نسخۂ فورٹ ولیم اس تاریخ سے خالی ہے۔

فرہنگ

(الف)

آبجو :	(بغیرِ اضافت) ندی، نہر (ص ۴۰)
آبِ حیواں :	آبِ حیات۔ وہ پانی جس کی نسبت یہ مشہور ہے کہ پینے سے قیامت تک موت نہیں آتی اور مُردہ اس کے اثر سے جی اُٹھتا ہے۔
آبدار :	وہ شخص جس سے امیروں اور بادشاہوں کی سرکار میں پانی رکھنے اور پلانے کی خدمت متعلق ہو۔ چمکدار۔ لطیف، نفیس۔ دھار والا تیز ہتھیار (امیر اللغات)
آبِ رواں :	ایک قسم کی نہایت باریک ململ۔ (مزید دیکھیے لفظِ شبنم) بہتا پانی۔
آب رِیز :	پانی بہانے والا۔ فوّارے کی طرح اُس کے جسم سے پانی گر رہا تھا۔ (ص ۴۵)
آتشِ لعلِ شیریں :	ہونٹھوں کی سُرخی۔ (ص ۷۱)
آتشیں آب :	شراب۔
آخرش :	آخرکار
آدیس :	جوگیوں اور فقیروں کا سلام۔ (ص ۱۱۲)
آسا :	طرح۔ مانند۔
آمرزگار :	بخشنے والا۔

آویزہ دار پازیب : وہ پازیب جس میں جھنکار کے لیے گھنگرو لگے ہوئے ہوں۔ گھونگرو دار پازیب۔ (ص ۸۱)

آہنگ : ارادہ، الاپ، نغمہ۔

آئین : رسم و رواج، طور طریقہ، قاعدہ قانون، زیب و زینت۔

آئینہ بند کریں : شہر کو آراستہ کریں۔ (ص ۴۴)

ابرِ نیساں : وہ ابر جو موسمِ بہار یعنی ستمبر میں برستا ہے۔ مشہور ہے کہ اس پانی کی بوند سیپ میں پڑ کر موتی بن جاتی ہے اور بانس میں بنسلوچن۔ (آصفیہ۔ امیر اللغات)

اِبنِ عَم : چچا کا بیٹا۔

اُپجنا : ظاہر ہونا۔ اُگنا۔ (ص ۱۳۰)

اُپج لینا : گاتے گاتے نئے انداز سے تان لینا۔ طبیعت کی جودت سے اُستادوں کے مقررہ قاعدے سے ہٹ کر کوئی عمدہ گت لے جانا۔

[نئی اُپجیں لینے لگے : نئی نئی تانیں لگانے لگے۔ ص ۳۵]

اُتاہ : کم درجے کا، کم رتبہ۔ (ص ۳۷)

اتالیق : تعلیم دینے والا جو تربیت کرے، ادب سکھائے۔

اِثنا عَشَر : بارہ امام :
(۱) حضرت علی (۲) امام حسن (۳) امام حسین (۴) امام زین العابدین (۵) امام محمد باقر (۶) امام جعفر صادق (۷) امام موسیٰ کاظم (۸) امام علی رضا (۹) امام محمد تقی (۱۰) امام علی نقی (۱۱) امام حسن عسکری (۱۲) امام محمد مہدی۔
(نور اللغات) (ص ۲۰)

اِجتماعِ تمام ہے : سب کا اتفاق ہے۔ (ص ۳۱)

اَحیاناً : اِتفاقاً۔

اِدراک	غیر محسوس چیزوں کا دریافت کرنا۔ عقل، سمجھ۔
اَدقچہ	پلنگ کی پُرتکلف سفید چادر، جس کے حاشیے پر کارچوبی یا کلابتونی کام بنا ہوتا ہے، یہ چادر پلنگ پوش اور توشک کے نیچے بچھائی جاتی ہے جس کا حاشیے دار کنارہ قریب آدھ آدھ گز کے نیچے لٹکتا رہتا ہے۔ (امیر اللغات) (ص ۵۱)
اُدھر	مُعلّق۔ بیچ میں نہ اِدھر نہ اُدھر۔ (ص ۵۸)
اَرغنوں	ایک باجا جسے افلاطون نے ایجاد کیا تھا۔ (غیاث)
اَرغوانی	بہت سرخ۔
اِرَم	جنّت۔ شدّاد کی بنوائی ہوئی بہشت۔ جو نگاہوں سے غائب ہو چکی ہے۔
اَرنا	جنگلی بھینسا۔ (ص ۲۷)
اَڑانا: (اَڈانا)	ایک راگ جو رات کے دوسرے پہر گایا جاتا ہے، یہ کانہڑا راگ کی ایک قسم ہے۔
اُڑانا	چال کرنا۔ ٹالنا۔ فریب دینا۔ (ص ۱۲۸)
اِزدِحام	بھیڑ، جماو۔
اِستادے	شامیانے اور خیمے کی چوبیں
اُستخواں	ہڈی۔
اِستری	عورت۔
اَسرار	بھید، آسیب، جن یا پری کا سایہ۔
اَش اَش کرنا	بہت خوش ہونا، خوشی کے مارے وجد کرنا۔
اشرفُ النّاس	سارے انسانوں سے برتر۔
اِصفہان	ایران کا مشہور شہر۔

اِغماض :	بے پروائی، چشم پوشی۔
اِفاقت :	تکلیف یا مرض میں کمی، آرام۔
اَفزود :	زیادہ۔
اِقلیم :	مُلک۔
اَگری :	وہ رنگ جو گہرے کشمشی کے قریب ہوتا ہے۔
اَلاپ :	آواز کا اُتار چڑھاو، سُر ملانا، دھرپت گانے والے گانے سے پہلے جو سروں کا اُتار چڑھاو کرتے ہیں اُسے الاپ کہتے ہیں۔ (نور اللغات)
اَلحق :	یقیناً، بے شک، فی الحقیقت۔ (ص ۱۵)
اَلماس :	ہیرا۔
اَمان :	پناہ، حفاظت، امن۔
اَمانت :	جوں کا توں، بجنسہٖ۔ [پلنگ امانت لے چلیے : پلنگ کو اسی طرح لے چلیے۔ (ص ۵۳)]
اَموال :	مال کی جمع۔
اُمّی :	وہ شخص جس کا باپ بچپن میں مر جائے فقط ماں اس کی پرورش کی ذمّے دار ہو اور وہ اسی وجہ سے علم نہ حاصل کر سکے۔ مجازاً : بے پڑھا لکھا آدمی۔ اور خاص : رسول اللہ کا لقب ہے۔
اَنام :	مخلوق۔
اَنبوہ :	بھیڑ، ہجوم۔
انجم :	تارے۔
اَندام :	جسم۔

اِنڈوا :	پُرانے کپڑے یا بان کا حلقہ جس کو سر پہ رکھ کر بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ عمدہ کپڑے اور چکلے پٹھے سے بنا کر جوگی اور جوگنیں زیبایش اور آرایش کے واسطے سر پہ رکھتی ہیں۔ جوگی اور جوگنیں اپنے بالوں کی جٹاؤں کو لپیٹ کر ایسے ہی حلقہ سر پر بنا لیتی ہیں۔ (ص ۱۱۴)
اِنُس :	انسان۔
اَنگ :	جسم۔
اَنگُشت :	انگلی۔
اَنواع :	نوع کی جمع، قسمیں۔
اَنوٹھی :	انوکھی۔ نئی۔ وہ کھانے کی چیز۔ جس میں سے کسی نے کھایا نہ ہو۔
انوٹھی گھڑت :	نئی طرح کی بناوٹ، انوکھی ساخت۔
اوج :	بلندی۔
اہلِ تنجیم :	نجومی۔
اہلِ حرفہ :	پیشہ ور۔
اہلِ نشاط :	طوائفیں۔ (ص ۳۶)
ایّامِ گُل :	بہار کا زمانہ۔
اِیزد :	خُدا۔
ایک راس کے :	ایک ذات کے، ایک قسم کے، ایک جنس کے۔ برابر برابر (ص ۶۵)
اِیمَن :	ایک راگ، جو رات کے پہلے پہر گایا جاتا ہے۔
اَیوان :	محل۔

(ب)

باب	دروازہ۔
بابت	وسیلہ، سفارش، مدد کا ذریعہ۔ (ص ۱۶)
بات میں قند گھولنا	ہنسی مذاق کی باتیں کرنا، چُہل کرنا۔ (ص ۱۱۶)
باج	محصول، خراج، زمین کا محصول جو بادشاہ کو دیا جاتا ہے۔
بادیا	ہوا کی طرح تیز رفتار گھوڑا۔ (ص ۶۲)
بادلا	سونے اور چاندی کے چپٹے تار جو گوٹا بُننے اور کلابتون بٹنے کے کام آتے ہیں۔ زری کا کپڑا جو ریشم اور چاندی کے تاروں سے بُنا جاتا ہے۔ (آصفیہ)
بار	عرصہ، دیر۔ (نور اللغات) (ص ۳۴)
بارَوَر	پھل دار، صاحبِ اولاد، کام یاب۔
باری دار	پہرے چوکی والے۔ (ص ۵۲)
بازخواست	جواب طلب کرنا، تحقیقات کرنا۔ (ص ۱۷)
بازگشت	واپسی۔ (ص ۱۵)
باعِث	سبب۔ وجہ۔
باغِ سُبُل	مراد ہے سرسبز اور شاداب باغ سے۔ (ص ۱۹) [سُبُل : سبیل کی جمع، روشن راستے۔]
باگ	(باگھ) شیر۔
بالا	کان کی لَو میں پہننے کا سونے یا چاندی کے تار کا حلقہ نما بنا ہوا زیور، جس میں خوش نمائی کے لیے دو موتی، جن کے بیچ میں سُرخ یا سبز رنگ کا نگ بھی پرو دیتے ہیں۔

بالا بتانا :	ٹالنا، بہانہ کرنا، فریب کرنا۔ (ص ۱۰۱)
بالک :	چھوٹی عمر کا بچّہ۔
بام :	کوٹھا، چھت۔ بالاخانہ۔
بانات :	بغیر بُناوٹ کا اونی کپڑا جو پشم یا اون کے روؤں کو جما کر کاغذ سازی کے طریقے پر بنایا جاتا ہے اور پتلا، دبیز، ادنا، اعلا ہر قسم کا ہوتا ہے۔ (فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں)
باناتِ پُر زر :	وہ بانات جس پر سنہرا کام ہو۔
بانی :	آواز، نقیروں کی صدا۔ [اگر ہم اپنی بانی پر آئیں : اگر ہم ضد پکڑ لیں، اپنی بات رکھنے پر آجائیں] (ص ۱۳۶)
بایاں :	وہ طبلہ جو بائیں طرف ہوتا ہے، یہ محض آواز کی سنگت کے لیے اور گونج پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔
بَتُول :	کنواری، تارکِ دنیا۔ حضرت فاطمہ کا لقب۔
بِجُوگ :	(واو مجہول) جُدائی، حادثہ۔
بِجُوگ پڑنا :	مصیبت پڑنا۔ (ص ۱۱۲)
بَچَن :	شگون، فال۔ (ص ۳۲)
بخت کُھلنا :	نصیب جاگنا، دن پھرنا۔ (ص ۱۲۵)
بختِ واژوں :	بُری قسمت۔
بَخْش :	حصّہ، (ص ۲۲)
بَدْر :	چودھویں رات کا چاند۔
بُراق :	چمکیلا، جگمگاتا ہوا، تیز رفتار، چالاک، نہایت اُجلا، برف سا سفید۔

بِرِچھک :	آسمان کا آٹھواں بُرج، بُرجِ عقرب، جو بچھو کی شکل کا ہے۔
بَردَہ :	غُلام۔ لونڈی۔
برس گانٹھ :	سال گرہ۔
بُرِش :	کاٹ۔ تیزی۔
بَرشُکال :	برسات۔
برم :	طبلے کی ایک تال کا نام۔
برمحل :	ٹھیک وقت پر، مناسب وقت پر۔
بَرمَلا :	کُھلم کُھلّا، سامنے۔ ظاہر۔
بَرنا :	جوان۔
بِرہُوگن :	جُدائی کی مصیبت میں مبتلا۔ (ص ۱۱۳)
بَرُومند :	(واو مجہول) فائدہ حاصل کرنے والا۔ پھل لانے والا۔
بِساط :	فرش۔ شطرنج کھیلنے کا کپڑا جس میں خانے بنے ہوتے ہیں اور جس پر مہرے رکھ کر کھیلتے ہیں۔ وہ کپڑا جس پر چوسر کھیلتے ہیں۔ سرمایہ، حوصلہ، حیثیت، طاقت، اصل حقیقت۔
بَستگاں :	متعلقین۔ غم زدہ۔
بَم :	راگ یا باجے کی اونچی آواز۔ زِیر کا متضاد۔ نقّارے کے دائیں طبل کو بھی بم کہتے ہیں۔
بَنَت :	کپڑے کی لمبی چیٹ پر سنہرے روپہلے تاروں کا کام۔ ایک طرح کی توئی (کپڑے پر بنی ہوئی بیل) کا نام جس میں گوکھرو سلما تارہ لگا ہوتا ہے۔ لَیس۔
بَند :	کپڑے کی پٹّی، تنی، وہ ڈورا یا فیتا جس سے انگرکھا وغیرہ باندھتے ہیں۔ (ص ۵۵)

بَندھوا : قیدی، پابند۔ (ص ۱۲۸)

بَنی : دُلھن۔

بَنیسٹی : (یائے مجہول) ایک ورزش کا نام ہے جس میں بانس کی لکڑی کے دونوں سروں پر مشعلیں باندھ کر اس طرح ہلاتے ہیں کہ شعلے کا چکر بندھ جاتا ہے۔

فارسی : شعلۂ جوّالہ۔ (آصفیہ)

بوق : نفیری۔

بھاگ کُھلنا : نصیب جاگنا۔

بھبوت : وہ راکھ جو سنیاسی یا جوگی اپنے بدن پر ملتے ہیں۔

بھبوکا : نہایت سُرخ، بہت خوب صورت، روشن، دہکتا ہوا، غضب ناک سُرخ پوش۔

بھبوکا ہوئی : غصّے میں بھر گئی، آگ بگولا ہو گئی۔ (ص ۸۶)

بہت دور تھی : بہت سمجھ دار تھی، (ص ۷۹)

بِھٹنی : پستاں کی سیاہ گھُنڈی۔

بُھجبَند : بازوبند۔ بازو پر پہننے کے مختلف وضع قطع کے سادہ اور جڑاؤ زیور، جن میں سے اَتے، جوشن، اور نونگے مشہور ہیں۔ (فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں)

بھچک : حیران۔

بھَچک رہ جانا : حیران ہو جانا۔ متحیّر ہو جانا۔ (ص ۷۲)

بُھچمپا : چمپا کی ایک قسم جس کو بھوئیں چمپا بھی کہا جاتا ہے۔
ایک طرح کی آتش بازی۔ (ص ۱۰۴)

بَہری : ایک شکاری پرندہ، جو اکثر کبوتروں کا شکار کیا کرتا ہے۔

بھگتیا :	سوانگ بھرنے والا، ناچنے والا، عورتوں کے سے کپڑے پہن کر ناچنے والا۔
بہنا :	جاری ہونا، ہَوا چلنا۔ برباد ہونا۔
بَھونری :	گھوڑے کی کھال کے بالوں کا چکّر، جو بالوں کی جڑوں میں مختلف شکل کا ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض کو بہت منحوس سمجھا جاتا ہے۔ بھونریاں آٹھ شکل کی ہوتی ہیں : بھنور کی شکل، سیپ کی شکل، گلاب کی کلی کی شکل، گائے کی زبان کی شکل، ہرن کے نافے کی شکل، کھنکھجورے کی شکل، کھڑانو کی شکل، سانپ کی شکل۔ اور گھوڑے کے جسم پر حسب ذیل مقامات پر پائی جاتی ہیں : زیرِ لب، سینہ، سر، اطرافِ ناف، پیشانی، زیرِ کلّہ، آنکھوں کے درمیان، گردن، پشت۔ ان کے مختلف اصطلاحی نام ہیں۔
بِہی :	ایک پھل جو امرود سے مشابہ ہوتا ہے۔ (ص ۳۹)
بَیاض :	سفیدی۔ وہ کتاب جس میں منتخب اشعار یا چیدہ مضامین لکھتے ہیں۔
بیان :	علمِ بیان : وہ علم جس کے جاننے سے ایک معنی کو متعدّد اور مختلف طریقوں سے ظاہر کر سکتے ہیں اس طرح کہ ایک معنی دوسرے سے زیادہ صاف ہوں۔ اس کا مدار چار چیزوں پر ہے۔ تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل، کنایہ۔ (آئینۂ بلاغت) (ص ۴۲)
بے داشت :	بغیر دیکھ بھال کے، خراب، (ص ۱۲۶)
بَیر :	دشمنی۔
بے کسر :	کسی نقصان کے بغیر۔
بیم :	(یائے معروف) خوف۔ ڈر۔

بین : ہندوستان کا نہایت قدیم ساز، جس کی آسان اور اصلاح شدہ شکل ستار کی ایجاد ہے۔ دو تونبوں پر ایک ڈنڈ لگا کر بنائی جاتی ہے۔ سُروں کے اُتار چڑھاو کے لیے اس میں پردے نہیں ہوتے۔ صرف تار اور ترہیں ہوتی ہیں اور مضراب سے بجایا جاتا ہے۔

بے نمود : جو مشہور نہ ہو، نمایاں نہ ہو۔

بینی (یاے معروف) : ناک۔

(پ)

پارہ دُوز : پیوند لگانے والا، خیمہ سینے والا۔ (ص ۱۸)

پانو چلنے لگا : لڑکھڑانے لگا۔ (ص ۲۴)

پائیں باغ : وہ باغیچہ جو مکان کے اندر، مکان کی سطح سے نشیب میں ہو۔

پُتلی کا تارا : بہت پیارا۔ نہایت عزیز۔ (ص ۸۸)

پَٹری : تختی، چمن یا باغ کی چھوٹی سی سڑک جس پر گھاس بو دیتے ہیں۔ سونے چاندی یا تانبے کی تختی جس پر کوئی نقش یا تعویذ کھدوا کر گلے میں ڈالتے ہیں۔ نہر کا کنارا۔

پَٹی : تیل یا گوند اور پانی کے ذریعے سے جو بالوں کی تہ کی تہ ماتھے پر جماتے ہیں۔ (ص ۳۱)

پَنچ لڑا : سونے یا چاندی کی زنجیر کا بنا ہوا ہار کی قسم کا زیور جس میں پانچ لڑیاں ہوں۔

پَراگندہ : پریشان۔ بکھرا ہوا۔

پَرتو : عکس، روشنی، جھلک۔

پَردہ : ستار، بین یا طنبورے وغیرہ کے وہ لوہے، پیتل یا ہاتھی دانت کے ٹکڑے جو اُس کے دستے پر مقامات ٹھیک رہنے، سُر کو متعین اور درست کرنے اور انگلیوں کے سہارے کے واسطے تانت سے باندھ دیتے ہیں۔ (ص ۳۶)

پَرَستار : خدمت گار۔ غلام، کنیز۔

پَر لگانا : تیز رفتار کر دینے کا کنایہ۔ (ص ۶۲)

پَرمیلو : ایک قسم کے ناچ کا نام جس کا اصول بہت مشکل ہے۔ (آصفیہ)

پَرَن : طبلے پر جو بندش (مخصوص بولوں کو باندھنا) کا ٹکڑا بجایا جاتا ہے۔

پَروانگی : اجازت۔

پَری : خوب صورت۔ اعلا درجے کی۔ (ص ۶۷)

پِشواز : جامہ۔ انگرکھے کی وضع کا گھیر دار دامن کا لباس، گھیر لہنگے کی طرح کا ہوتا ہے۔ پہلے زمانے میں بیگمات اور اُمرا لباس کے اوپر پہنا کرتے تھے، اور جامے کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اِس زمانے میں دہلی اور لکھنؤ کی گانے والی عورتیں گانے کی محفل میں گانے ناچنے کے لیے پُرتکلف جامہ پہن کر آتی ہیں جو اِن علاقوں میں پشواز کے نام سے مشہور ہے اور جامے کا لفظ متروک ہے۔

(فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں)

پَکھاوَج : طبلے کی وضع کی لمبوتری ڈھولک۔

پَگاہ : صبح، تڑکا۔

پَلَنگ : ایک درندہ۔ جسے عربی میں نمر کہتے ہیں۔

پَنیری جمانا : پودوں کو ایک جگہ سے اُکھاڑ کر دوسری جگہ لگانا۔ (ص ۴۰)

پُوتھی : علمِ نجوم کی کتاب۔

پُوشِش : لباس. (ص ۱۸)
پَھبَن : سجاوٹ، موزونیت، آرایش۔
پَہَر : دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے آٹھواں حصّہ۔
پہر بجنا : ایک پہر گزرنے کی شناخت کے واسطے گھنٹا بجایا جاتا تھا۔
پھرکی : پتّی جو شہنائی کے منہ پر ڈورے سے بندھی لٹکتی رہتی ہے، بجاتے وقت اسے لگا لیتے ہیں۔
پھول : تیز شراب۔ نہایت لطیف شراب۔
پِھینٹا : سر سے باندھنے کا چھوٹا دوپٹا۔ چھوٹی پگڑی۔
پَیکاں : نیزے کی نوک، تیر یا برچھی کی انی۔
پِیکھنا (یائے مجہول) : پُتلیوں کا کھیل۔ تماشا۔

(ت، ٹ، ث)

تاجِ خُروس : مُرغ کے سر کی کلغی، وہ سرخ گوشت کا ٹکڑا جو مُرغ کے سر پر ہوتا ہے۔ ایک قسم کا سُرخ پھول جو تاجِ خُروس سے مشابہ ہوتا ہے۔ (ص ۶۴)
تار توڑ : ایک طرح کا سوئی کا کام جو کپڑے پر ہوتا ہے۔ کارچوبی کام۔
تاش : زربفت کی قسم کا مگر اُس سے گھٹیا درجے کا کپڑا، یہ عموماً کھرتے بادلے اور سوتی تانے سے بُنا جاتا ہے۔ سچّے بادلے سے بُنے ہوئے کپڑے کو سلاسل کہتے ہیں۔ بادلے کا بنا ہوا پلّو۔ (فرہنگِ اصطلاحات)
تال : لغوی معنی: ہتھیلیوں کو آپس میں ایک دوسرے پر مار کر بجانا۔ موسیقی کی اصطلاح میں لَے کی تیزی یا کمی یا باقاعدگی معلوم کرنا — ساز کے مقررہ سُروں کے بولوں کی موزونیت۔ سُروں کی متوازن آواز۔ تال کو ظاہر کرنے کے لیے طبلے پر ٹھیکا بجایا جاتا ہے۔
[ٹھیکا: طبلے کی مقررہ آوازیں یا بول، جو کسی تال سے متعلق ہوں۔]

تال ہاتھوں میں قید کیے : تال سم پر پوری طرح قابو پا لیا، کمال پیدا کر لیا۔

تپ : بخار۔ (ص ۱۱)

تثلیث : نجومیوں کی اصطلاح میں، چاند کسی سعد (نیک) ستارے سے پانچ یا نو برج کے فاصلے پر ہو (آسمان کے بارہ برج ہیں) جیسے چاند، برج حمل میں ہو اور مشتری، برجِ اسد میں ہو یا برج قوس میں۔ یہ مکمل دوستی کی علامت ہے اور یہ سعد ستارہ، چاند کا خادم ہوگا۔ اس کو تثلیث اس لیے کہتے ہیں کہ چاند اور اُس سعد ستارے کے درمیان درجات کے حساب سے آسمان کے تیسرے حصے کے برابر فاصلہ ہوتا ہے۔

ترَبیں : ترَب کی جمع۔ وہ تار جو اصل تاروں کی مدد کے لیے ستار، سارنگی وغیرہ سازوں میں لگے ہوتے ہیں، ان کو آس کے تار بھی کہتے ہیں۔

ترپولیا : وہ مقام جہاں ایک سمت میں برابر تین دروازے ہوں۔ وہ بڑا تین در کا پھاٹک جو بادشاہوں، راجاؤں کی سواری کا جلوس بہ آسانی نکل جانے کی غرض سے محل کے سامنے یا بیچ بازار میں بنا دیا جاتا تھا۔

تردّد : سوچ، فکر۔

ترشح : ہلکی پھوار، بوندا باندی۔

ترکیب : بناوٹ، سجاوٹ، تناسب، ڈول، ڈھنگ۔ (ص ۱۸، ۸۰)

تُرَھی : نفیری کی سنگت کا ساز۔ یہ ایک قسم کی بغیر پردوں کی ایک سُری نفیری ہوتی ہے اور نفیری کے ساتھ لَے ملانے کے لیے بجائی جاتی ہے۔ اس سے صرف "پوں" کی آواز نکلتی رہتی ہے۔ اسے پونگی بھی کہتے ہیں۔ (فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں)

تڑاقے کی : بھڑکدار، چمکیلی۔

تسدیس	نجومیوں کی اصطلاح میں چاند اور کسی سعد ستارے کے درمیان تین یا گیارہ برجوں کا فاصلہ ہو۔ یہ نیم دوستی کی نظر ہے۔
تعب	تکلیف، سختی، مشقت۔
تعلیق	خطِ شکستہ کی ایک طرز جس میں حرفوں کے دائرے لمبے اور سطح چھوٹی لکھی جاتی ہے۔ عہدِ اکبر تک ہندوستان میں یہی خط رائج تھا۔ محرروں نے خطِ رقاع اور خطِ توقیع سے استنباط کر کے وضع کیا تھا۔ خطِ نسخ اور خطِ تعلیق سے، خطِ نستعلیق کی ایجاد عمل میں آئی۔
تف :	بخار، گرمی۔
تفاوت	فرق۔
تفتہ	بہت گرم۔ جلا بھنا۔
تفنگ	بندوق۔ توپ۔ وہ بڑی نے یا نرسل جس میں مٹی یا آٹے وغیرہ کی گولیاں یا چھوٹا سا تیر ڈال کر پھونک کے زور سے چلاتے ہیں۔
تفؤل	فال نکالنا۔ (ص ۹۰)
تقویم	جنتری۔
تقویم پار	پرانی جنتری، بیکار جنتری۔ (ص ۱۷)
تقیّد	تاکید، تنبیہ۔ (ص ۱۲۰)
تکمہ	گھنڈی۔ عام طور سے اس حلقے کو کہتے ہیں جس میں گھنڈی اٹکی رہتی ہے۔
تلا	برجِ میزان، آسمان کا ساتواں برج۔ (ص ۳۲)
تلف	ضائع۔
تمامی	ایک قسم کا ریشمی کپڑا جس کی بناوٹ میں سنہری یا روپہلی بادلے کا چارخانہ

	بُنا ہوتا ہے۔
تَنْت کار:	گویا۔ تار والے سازوں (سارنگی، ستار وغیرہ) کا بجانے والا۔ (ص ۳۶)
تَوْاَم:	جُڑواں۔
تواں:	طاقت۔ قدرت۔
تودہ:	ڈھیر، مٹی کا ٹیلا یا کچی دیوار جس پر تیر انداز تیروں کی مشق کرتے ہیں۔
تورہ:	مختلف کھانوں کا ایک خوان یا کئی خوان جو امیروں میں شادی وغیرہ کے موقعے پر کچھ روز پہلے تقسیم کیے جاتے تھے۔
تورہ پوش:	خوان پوش۔ وہ سرپوش جو توروں کے خوانوں پر بانس کا بُنا ہوا ڈھانکا جاتا تھا۔
توڑے:	بغیر گھنگروؤں کی پازیب جو پٹری دار ہوتی ہے۔
تَوَسَن:	گھوڑا۔
تَوَلُّد:	پیدا ہونا۔
تھاپ:	ہتیلی کا ٹہوکا جو تان کے موقعے پر طبلے پر لگایا جائے یعنی ساز کے چڑھاو یا اُتار کے سُروں کا آخری سُر بجنے کے بعد، پلٹنے سے پہلے ٹھہراو کا اشارہ، جو طبلچی طبلے پر ہتیلی کی ضرب لگا کر دے۔
تہنیت:	مبارک باد۔
تَہَوُّر:	بہادری۔
تیرہ:	اندھیرا، سیاہ۔
تیرہ بختی:	بدنصیبی۔
ٹاپنا:	گھوڑے کا دانے کے وقت پانو زمین پر مارنا، دانہ گھاس طلب کرنا۔ (ص ۶۲)

ٹپّا :	ایک راگ خیال، دادرا وغیرہ کی قسم کا، مشکل تانوں پر اس کی بندش ہوتی ہے۔
ٹٹی :	آتش بازی کی دیوار جو بانس کی کھپچیوں سے بناتے ہیں اور موقعے موقعے سے اُس پر آتش بازی نصب کر دیتے ہیں۔ (ص ۱۰۴)
ٹُک :	ذرا، کچھ۔
ٹُکور :	تاشے، نقّارے اور اسی قسم کے باجوں پر ہلکی ضرب، جو دھیمی آواز نکلنے کے لیے لگائی جائے۔
ٹھانوٓ :	جگہ۔ ٹھکانا۔
ثُلث :	تیسرا حصہ۔ سات مشہور خطوں میں سے ایک خط، خطِ نسخ کی جلی قلم تحریر، اس خط میں حرف کا دَور، حرف کی کل لمبان کا دو حصّے اور سطح، اُس کی دُگنی ہوتی ہے۔

(ج ، چ ، ح ، خ)

جامِ جَم :	جامِ جمشید، جامِ جہاں نُما۔ وہ پیالہ جسے جمشید بادشاہ کی خواہش سے حکمانے بنایا تھا اور مشہور ہے کہ اس سے (از روئے نجوم) آیندہ کا حال معلوم ہو جاتا تھا۔
جان وارنا :	جان قربان کرنا۔ (ص ۴۱)
جَد نہ تَد :	جب نہ تب۔ ص ۴۰)
جُدی :	جُدا، الگ۔
جَرَس :	گھنٹا جو قافلے والے کوچ کے وقت بجاتے تھے۔ گھڑیال۔
جَریب :	ایک خاص پیمانہ جس سے زمین ناپی جاتی ہے۔ انگریزی پچیس گز کی زنجیر۔ چاندی کا خول چڑھی ہوئی لکڑی جو نوابوں یا بادشاہوں کے چوبداروں کے پاس ہوتی تھی۔

بادشاہی جلوس میں ہاتھی کے پیچھے ریشم کی ڈوری پڑی ہوتی تھی، دربان اس کو ہاتھ میں پیٹتا جاتا تھا، جب کوس پورا ہو جاتا تھا، دربان ایک جھنڈی لے کر بادشاہ کو مجرا کرتا، جس سے مراد یہ ہوتی کہ سواری کوس بھر آئی۔ اُس ریشم کی ڈوری کو جریب کہتے تھے۔ (نور اللغات) (ص ۹۸)

جَعفری :	ایک قسم کا زرد گیندے کا پھول۔ (ص ۳۹)
جُفت :	جوڑا۔ وہ عدد جو دُو پر پورا پورا تقسیم ہو جائے، طاق کی ضد۔ ہم سر، ثانی، مقابل۔
جُگنو :	گلے کے ایک زیور کا نام، دیکھیے دھدھکی۔
جِلو :	لگام سواری کے ساتھ کا ٹھاٹ۔ ہمراہی۔
جِلَو دار :	مصاحب، ہمراہی، ساتھی۔ وہ شخص جو گھوڑے کی باگ پکڑ کر ہمراہ چلے۔
جَلوہ :	رخصتی کے دن دولہا دلھن کو آمنے سامنے بٹھا کر آرسی مصحف دکھانا۔
جنَم پَترا :	دیکھیے زائچہ۔
جوگ :	طبلے کی ایک تال کا نام۔
جوگیا :	ایک راگنی کا نام جو بھیرں راگ سے نکلی ہے۔ اس کا وقت صبح کا ہے۔ گیروا رنگ۔
جہانگیریاں :	کلائی میں پہننے کا جالی دار چوڑی کی وضع کا زیور، اسے پری بند، پری چھن، پری جھبک بھی کہا جاتا ہے اور ملکۂ نور جہاں کی ایجاد بتایا جاتا ہے۔
جھبّے :	پھندنے۔ (ص ۵۱)
جھلا بُور :	زرق برق، چمکیلا، جگمگاتا ہوا۔

جُھمکا : خوشۂ پروین، وہ سات ستارے جو آسمان پر اکٹھا نظر آتے ہیں۔ (ص ۷۳)

جِیوڑا : جی کی تصغیر، جی، دل، جان۔

جیوڑا نکل گیا ہو : دل پریشان ہو۔ (ص ۹۲)

چاہ : کنواں، محبّت، خواہش۔

چِنڈَک : ایک قسم کی ابابیل۔

چشم وا ہوا : آنکھیں کھول دیں۔ (ص ۱۳۳)

چِلّہ : چالیس دن کی مدّت۔ کمان کے سروں کی تان، جو عام طور سے تانت کی ہوتی ہے، جس کے ذریعے سے کمان کو کھینچا جاتا ہے۔ کمان کی تانت کے اُس سرے پر جو کمان سے بندھا نہیں ہوتا، ایک چھلّا چمڑے یا لکڑی کا لگا ہوتا ہے جسے کمان کے گوشے پر چڑھا کر کمان کو کھینچتے ہیں۔

چِلّے میں فنِ تیر کھینچ لیا : چالیس دن میں فنِ تیر اندازی کو پوری طرح حاصل کر لیا۔ (ص ۴۳) (چلّے میں رعایتِ لفظی کار فرما ہے۔)

چمپا کلی : گلے کے ایک زیور کا نام، جس کے دانے چمپا کی کلیوں سے مشابہ ہوتے ہیں۔

چَنگ : ایک قسم کا دف، جس میں جھانج لگے ہوتے ہیں۔

چَنگیر : (یائے مجہول) : پھول رکھنے کا برتن، پھولوں کی ٹوکری۔

چوب : باجا بجانے کی لکڑی

چوبدار : نقیب، وہ نوکر جو سونے یا چاندی کا خول چڑھا ہوا عصا لے کر امیروں کے آگے چلتا ہے۔ امرا کے محلوں کا دربان۔

چَوپَڑ :	چوسر، پچیسی۔ چوسر، پانسے سے کھیلی جاتی ہے اور پچیسی، گوٹوں سے۔ چوسر کھیلنے کا وہ کپڑا جس پر گوٹیں رکھتے ہیں۔ جو چلیپائی (+) صورت کا ہوتا ہے۔
چَوپَڑ کی نہر :	وہ نہر جو چار شاخوں میں تقسیم ہو اور چار طرف گئی ہو۔
چَوڈُول :	(چاروں طرف باڑ والا) تام جھام کی قسم کی سواری، جس کو کہار کندھوں پر اُٹھا کر لے جاتے تھے۔ چوپہلا، سکھپال۔
چُور :	زخم کے اندر کا حصّہ جو اچّھا ہونے سے باقی رہ جائے اور اوپر سے اچھا ہو جائے۔ شمع کا ایک طرف سے گھل جانا۔ (ص ۲۴)
چَوگھڑا :	(چوگھرا) چار خانوں کا سونے، چاندی یا تانبے کا بنا ہوا ظرف، جس میں کھلوریاں، لونگ، الائچی اور چکنی سپاری وغیرہ رکھی جاتی تھی۔ (ص ۸۲)
چونہ پزنی :	(چونے پزنیاں، چونے والیاں) ڈومنیوں کا ایک فرقہ جو بچّہ پیدا ہونے میں ناچنے گانے آتی ہیں اور بدھائی لیتی ہیں۔
چَھب :	آرایش زیبایش، ناز و انداز، اعضا کا تناسب، معشوقانہ انداز۔
چَھب تختی :	سینے اور جسم کی خوب صورتی، خوش وضعی۔
چَھڑے :	پازیب کی قسم کا ایک زیور۔ چھاگل۔
چیتا (یاے مجہول) :	خیال۔ ذہن۔
حُب :	محبّت، دوستی۔
حباب :	بُلبُلا۔
حرف زَن :	بات کرنے والا۔

حریف : ہم پیشہ، دشمن، بدخواہ، ہمسر، مقابل۔

حُسنِ طلب : کسی چیز کو اشارے، کنایے سے مانگنا۔

حَشری : وہ گھوڑا جو اور گھوڑوں کے ساتھ مل کر نہ رہے۔ (ص ٦٢)

حظ : لطف، مزہ۔

حلقہ بہ گوش : غلام۔ تابعدار۔

حِنا : مہندی۔

حِنا بستہ : مہندی لگے۔

حَیف کھانا : افسوس کرنا۔

خاتَم : انگوٹھی، مُہر۔

خاصہ : بادشاہوں یا امیروں کا کھانا۔

خاصہ پز : خاصہ پکانے والا۔

خاکستَر : راکھ

خاکستری : راکھ کے رنگ کا۔

خال : تِل

خامہ : قلم۔

خانساماں : گھر کا سامان کرنے والا، داروغہ، میرِ سامان۔

خانہ باغ : وہ باغ جو مکان کی چار دیواری کے اندر ہو۔

خَجالت : شرمندگی۔

خَدیو : مصر کے بادشاہ کا لقب، بادشاہ، خداوند۔

خَراج : سالانہ محصول۔ وہ روپیہ جو سالانہ بادشاہ یا بالادست امیر کو دیا جائے۔

خَرگاہ : بڑا خیمہ۔ سلاطین اور امرا کا خیمہ۔ (ص ١٨)

خرمن : کھلیان۔

خشت : اینٹ۔

خَطا : ترکستان اور چین کے مابین ایک ملک کا نام۔

خطِّ غُبار : فنِ خطاطی میں خط کی ایک قسم، جس میں عبارت کو اس طرح لکھا جاتا ہے کہ غبار کی سی صورت نظر آتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ باریک نقطوں کے ذریعے جلی حروف کی شکل مطابقِ قاعدۂ خوش نویسی بنائی جائے۔ اور دوسری یہ کہ کسی عبارت کو بہت باریک لکھ کر جلی عبارت یا حروف بنائے جائیں۔ اس خط میں شکلِ غبار نظر آنی چاہیے۔

خطِّ گلزار : پھول پتیوں کی شکل یا گل بوٹوں کے اندر لکھی ہوئی تحریر۔ خطِّ بہار۔

خَلَف : بیٹا۔

خِلقت : پیدائش۔ فطرت۔

خِلقت کی گرمی : فطری شوخی، ناز و ادا۔ (ص ۹۵)

خواجہ سرا : وہ خصی غلام جو گھر میں آجا سکے۔ وہ عضو بُریدہ اشخاص جو امرا، وزرا اور سلاطین کی محل سراؤں میں بطورِ دربان یا چوبدار حاضر رہتے اور احکام پہنچانے کی خدمت بجا لاتے تھے۔

خواستگاری : درخواست، آرزو، نسبت کی درخواست۔

خواصیں : وہ ملازم یا مصاحب عورتیں جو امیر زادیوں کے ساتھ رہتی ہیں۔ سہیلیاں، ہم جولیاں۔

خُوجہ : (واوِ مجہول) خصّی غلام، ہیجڑا۔

خورد خواب : کھانا اور سونا۔

خوں بہا : وہ نقدی جو مقتول کے وارثوں کو، خون کے عوض، ادا کی جائے۔

خیابان : وہ راستہ جو باغ کے بیچ میں ہوتا ہے۔

خیرُ الْاَنام : مخلوق میں سب سے اچھے۔

خیرگی : چکا چوند، آنکھوں کے آگے اندھیرا آجانے کی کیفیت۔

خیر ہے : اُس جگہ بولتے ہیں جب کوئی کسی کے پاس بے وقت آتا ہے یا بے محل کوئی کام کرتا ہے۔

(د۔ ڈ۔ ذ۔ ر۔ ز)

دارا حشم : دارا (ایران کا مشہور بادشاہ) کی طرح شان و شوکت والا۔

داربست : لکڑی اور تختوں کی باڑ، جس پر بیٹھ کر معمار اور مزدور عمارت کا کام کرتے ہیں۔ بانس بتّیوں کا بنا ہوا وہ ٹھاٹھر جس پر انگور کی بیل یا اور کوئی بیل چڑھائی جائے۔

دارو : شراب۔ دوا۔

دامن پسارنا : دامن پھیلانا۔

داؤدی : ایک زرد اور سفید رنگ کے پھول کا نام۔

دائرہ : حلقہ۔ دف۔ گول چوبی گھیرے پر ایک طرف کھال سے منڈھا ہوا باجا۔

دُخت : لڑکی۔

دَدا : وہ عورت جو بچّوں کی پرورش کے واسطے نوکر ہو، کھلائی۔ (آصفیہ)

دُرریز : موتی بکھیرنے والا۔ (ص ۲۴)

درخشندہ : چمکدار، چمکتا ہوا۔

درد و محنت کا باب : مصیبت کا دروازہ۔ مصیبتوں اور تکلیفوں کے شروع ہونے کی جگہ (ص ۸۸)

دُرِ یتیم : بڑا آبدار موتی جو تنہا سیپی میں ہو، نہایت بیش قیمت موتی۔
دِریغا : افسوس ہے۔
دست بند : کلائی میں پہننے کے زیوروں میں کا ایک زیور، بیضوی موتی یا کسی قیمتی پتھر کے بیضوی دانوں کا حلقہ ہوتا ہے۔

دسترس : قابو، پہنچ۔
دشتِ ہُو : اُجاڑ سنسان ویرانہ۔ جہاں آدمی کو دہشت معلوم ہو۔
دقیقہ نہ چھوڑا : کسر نہ اُٹھا رکھی، کوشش میں کمی نہیں کی۔
دل اَفروز : دل کا روشن کرنے والا۔
دِل چلنا : رغبت ہونا، خواہش ہونا، دل کا مائل ہونا۔
دِل دے کے سنیو : غور سے، دل لگا کے سنو۔ (ص ۲۸)
دُلڑا : (دو لڑا) سونے یا چاندی کی زنجیر کا بنا ہوا ہار کی قسم کا زیور جس میں دو لڑیاں ہوں۔
دِل شُدہ : دل دادہ۔ جس کا دل قابو سے نکل گیا ہو۔ (ص ۸۲)
دِل ہَوا ہو چلا : ہیبت سے دل گھبرا گیا۔ (ص ۸۸)
دلیل (یائے معروف) : راہ نما (ص ۱۴۹)
دم بھرنا : محبت کا دعوا کرنا، کسی کو ہر وقت یاد کرنا، کسی کی ہر وقت تعریف کرنا، دعوا کرنا۔
دم خفا کیا : سانس رکنے لگی۔ (ص ۸۹)
دم خفا ہونا : جی گھبرا جانا، دم گھٹنا، سانس رُکنا۔ (ص ۹۰)
دَنبال : پیچھے۔ چارپایے کی دُم۔

دُنبالہ دار ستارہ : دُم دار ستارہ۔

دَواں : دوڑتا ہوا۔

دوتا و یکے : وہ دو ہیں لیکن حقیقتاً زبانِ قلم کی طرح ایک ہیں۔ (ص ۲۰)

دو چند : دُگنا۔

دود (واو معروف): دھواں۔

دور : دور اندیش۔ عقل مند۔ (نور اللغات)

[بہت دور تھی : دور اندیش تھی۔ بہت سمجھ دار تھی۔ (ص ۷۹)]

دُھرپت : (دُھرپد) ایک گانا، ٹھمری کی طرح بولوں کا مجموعہ جو کسی بھی راگ میں گایا جا سکتا ہے۔

دُھکدُھکی : (دگدگی) گلے میں ہنسلی کی ہڈیوں کے جوڑ کے اوپر پہننے کا زیور۔ اودھ میں جگنو (چھوٹا ہو تو جگنی) پنجاب میں دگدگی اور بعض مقامات میں اُربسی اور چوکی کہتے ہیں۔ شکل میں ستارے کی وضع کا اور وسعت میں ڈیڑھ دو انچ قطر کا، عام طور سے جڑاو بنایا جاتا ہے اور اس میں ایسے شوخ رنگ اور چمک دار نگ لگاتے ہیں جو اندھیرے میں روشنی پڑنے سے جگمگائیں۔ (فرہنگِ اصطلاحات)

دھنی دست کے اور آواز کے : ماہر ساز بجانے والے اور گانے والے۔

دَھونسا : بڑا نقارہ۔

دِیاڑ : ٹُک۔

ڈانک : سنہرا یا رُپہلا ورق جو نگینے کے نیچے چمک بڑھانے کے لیے رکھ دیتے ہیں۔

ڈَہڈَہا : تروتازہ، سرسبز و شاداب، نہایت زرد یا سرخ شوخ رنگ۔ بھڑکیلا۔ چمکیلا۔

ڈھلک : پُھلاو، اُبھار۔ (ص ۸۰)

ڈِھمڈِھمی : (ڈِمڈِمی، ڈِھمڈمی) چھوٹا دف، ڈفلی۔

ڈیڑھ گت : دو گتیں مکمل ہونے سے پہلے ہی۔
[گت : ناچنے میں انداز بتانا]

ذری : ذرا۔

ذَقن : ٹھوڑی۔

ذُوالجلال : صفت خدائے تعالا کی، جو بزرگی والا ہے۔

ذی روح : جان دار۔

رال : ایک گوند کا نام، جس میں آگ جلد اثر کرتی ہے۔

رال اُڑانا : رال کو آگ کے ذریعے سے مثلِ بارود اُڑانا۔ (ص ۱۱۴)

رباب : ایرانی ساخت کا چھوٹی قسم کا بغیر پردوں کا ستار، اس میں چھتّے تار تانت کے ہوتے ہیں۔

رَخْت : اسباب، سامان، لباس۔

رَخْش : گھوڑا۔ رستم کے گھوڑے کا نام۔

رستمِ داستاں : داستان، رستم کے باپ زال کا لقب تھا۔

رشکِ مَہ : چاند سے بڑھ کر خوب صورت۔

رَطْب و یابس : رطب : تر یابس : خشک۔ تر و خشک، بُرا بھلا، نیک و بد۔

رفت و گذشت : گیا گزرا

رفت و گذشت نہیں : تعلق ختم نہیں ہوگا۔ (ص ۱۵)

رِقاع : خطِ نسخ کی وضع کا خط، جس میں حروف کی سطح اور دور برابر بنائے جاتے ہیں۔

رُکنا : کسی امر سے باز رہنا، کشیدہ ہونا، خفا ہونا، ملاقات ترک کرنا۔

رک رک کے مرجاؤں گی : گھُٹ گھُٹ کے مرجاؤں گی۔ (ص ۱۰۵)

رَمّال : علمِ رمل کا جاننے والا۔ جوتشی۔

رَمز : بھید، معمّا، باریکی، اشارہ، کنایہ۔

رمل : ایک علم کا نام جس میں ہندسوں اور لکیروں کے ذریعے سے غیب کی باتیں دریافت کرتے ہیں۔ یہ علم حضرت دانیال علیہ السّلام سے منسوب ہے۔ رمل، عربی میں ریت کو کہتے ہیں، اور جبریلؑ نے بہ حکمِ خدا، ریت پر چند نقطے بنا کر اُن کو یہ علم سکھایا تھا۔

روحُ القُدُس : حضرت جبریلؑ۔

رود : ندی، نہر۔

روسپید : گورے چہرے کا کنایتاً نیک نام۔

رَوِش : طریقہ، انداز، تراش خراش، ڈھنگ، باغ کی پٹری، رفتار۔

روکھا ہونا : بدمزاج ہونا، ناراض ہونا۔

رَیاحین : ریحان کی جمع۔

ریحان : ایک خوشبودار پودے کا نام جو تلسی کی قسم میں سے ہے، نازبو۔ سُرخ پھول کے سوا تمام پھول۔ ایک خط کا نام۔

رِیس : برابری، مقابلہ، رقابت، رشک۔

ریسماں : رسّی۔

زار و نزار : دُبلا پتلا، ضعیف و ناتواں۔

زائچہ : جنم پترا۔ وہ کاغذ جو نجومی، بچّے کی پیدائش کے وقت بناتے ہیں، جس میں بچّے کی تاریخِ پیدائش، سنہ وغیرہ درج ہوتا ہے، اُس وقت

مختلف سیارے جہاں جہاں ہوتے ہیں وہ ایک آسمانی نقش میں بنا دیے جاتے ہیں، اُسی کو دیکھ کر، ہر نجومی اُس کی تمام عمر کا نیک و بد کا حال بتایا کرتا ہے۔

زبس : ازبس کا مخفف، بہت، بے انتہا۔

زُحل : ایک ستارے کا نام جو ساتویں آسمان پر ہے اور نہایت منحوس خیال کیا جاتا ہے۔

زُحل اپنا عمل کر چکا ہے : مصیبت کے دن ختم ہو چکے ہیں۔

زربفت : بادلے کے تانے اور ریشم کے بانے سے بُنے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں جو مختلف نمونوں کا بُنا جاتا ہے، لیکن اب عام طور سے کم خواب اور زربفت کا ایک ہی مفہوم سمجھا جاتا ہے، لیکن کم خواب میں زری کے بجائے، ریشمی بوٹیاں زیادہ ہوتی ہیں اور کپڑا بھی سخت اور سنگین بُناوٹ کا ہوتا ہے۔

زرتار : سونے کے تاروں سے بنائی ہوئی چیز۔

زرنگار : وہ چیز جس پر سنہرا کام کیا گیا ہو۔

زری : سنہری تار۔ چاندی کے تار جن پر سونے کا ملمّع ہو۔ کلابتوں کا بُنا ہوا کپڑا۔

زری بافت : زری کا بُنا ہوا کپڑا۔ (ص ۱۰۵)

زری پوش : زری کا لباس پہنے ہوئے۔

زری کا حلقہ : زری کا بنا ہوا اِنڈوا۔ دیکھیے اِنڈوا۔

زمیں بوس ہونا : حاضر ہو کر آداب بجا لانا۔ زمین چومنا۔

زمیں گیر ہونا : زمین سے چپک جانا۔ مستقل ہو کر بیٹھنا۔ جم جانا۔

زَنخداں : ٹھوڑی (ٹھڈّی)

زَوج : جوڑا، خاوند، بی بی۔

زور : (واو مجہول)، زیادتی، کثرت، بے حد۔ (ص ۱۳۱)

زِہ : کنارہ، منڈیر، وہ اُبھری ہوئی اینٹیں یا کانس جو منڈیر کے نیچے یا دیوار کے اختتام پر خوب صورتی کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ (ص ۳۸)

زِیب وزَین : بناؤ سنگار، آرایش زیبایش، سجاوٹ۔

زیر : (یائے معروف): دھیمی آواز، نیچا سُر۔ نقارے کا بایاں طبل۔

زیر : (یائے مجہول): نیچے، کم زور۔

زِیر دست : کم زور۔

زیست : زندگی۔

زِیل : نیچی موٹی آواز۔

(س ۔ ش)

سائِن : گھوڑے کی گردن کے بالوں کی جڑ کے قریب کی بھونری، اگر بالوں کے دونوں طرف ہو تو بُری نہیں، وہ اصطلاحاً ناگ کہلاتی ہے اور اگر صرف ایک طرف ہو تو بہت منحوس خیال کی جاتی ہے۔

[بھونری: گھوڑے کی کھال کے بالوں کا چکّر، جو بالوں کی جڑوں میں مختلف شکل کا جسم کے اکثر حصّوں پر پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض کو بہت منحوس سمجھا جاتا ہے] (ص ۶۲)

سات قلم : سات خطوں سے مراد ہے۔ جو شخص سات طرح کے خط لکھنا جانتا ہو، اعلا درجے کا خوش نویس، اُسے ہفت قلم کہتے ہیں۔ (ص ۴۲)

ساعِد : کلائی، ہاتھ کے پہنچے سے کہنی تک کا حصّہ۔

ساق : پنڈلی۔

سالک :	راہ چلنے والا۔
سال :	طرح۔ مانند۔
سانٹھ :	سازش، گرہ۔
سانٹھ لڑی تھی :	سازش تھی۔
سایبان :	وہ چیز جو چھپر کے مشابہ مکان، خیمے وغیرہ کے آگے دھوپ کی شعاعوں سے یا مینہ سے بچنے کے لیے ڈال لیتے ہیں۔ مکان کے آگے جو کپڑے یا بانات کا نمگیرا کھڑا کرتے ہیں اس کو بھی سایبان کہتے ہیں۔
سبزی :	بھنگ۔ (ص ۱۲۴)
سبو :	گھڑا۔
سبھاو :	ڈھنگ، قاعدہ، خاصہ۔ اچھی عادت۔ خصلت۔
ستارے کا بل :	ستارہ پیشانی۔ گھوڑے کی پیشانی پر سفید بالوں کی چتی جو ہاتھ کے انگوٹھے کے سرے کے نیچے چھپ جائے، ایسا گھوڑا ستارہ پیشانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور نہایت منحوس سمجھا جاتا ہے۔ (ص ۶۲)
ست لڑا :	سونے یا چاندی کی زنجیروں کا بنا ہوا ہار کی قسم کا زیور، جس میں سات زنجیریں ہوں۔
سحاب :	بادل۔
سخن سنج :	کلام کو سمجھنے والا۔ شاعری کے نکات کو سمجھنے والا۔
سُدھ :	خبر، ہوش، یادداشت، ہوشیاری، خیال۔
سُر :	ساز کے کسی پردے کی آواز۔ موسیقی دانوں نے بلندی و پستی کے سات درجے مقرر کیے ہیں۔ ہر ایک کو سُر کہتے ہیں۔

سِرِّ خفی و جلی :	چھپے ہوئے اور ظاہر بھید۔
سَراندیپ :	لنکا۔
سَربستہ :	چھپا ہوا، بند۔
سَر بہ سَر :	اِس سرے سے اُس سرے تک، برابر، تمام، بالکل۔
سَر بہ صحرا :	دیوانہ وار۔
سر بہ صحرا نکلتی ہوں :	دیوانہ وار ہر طرف ڈھونڈنے کے لیے نکلتی ہوں۔
سَرپیچ :	جیغہ۔ بادشاہوں، نوابوں اور اُمرا کی پگڑی کے اوپر باندھنے کا موتی یا جواہرات کا لڑی کی شکل کا زیور، جس میں ایک جڑاؤ پڑی یا آویزہ بھی ہوتا ہے۔ (فرہنگِ اصطلاحات)
سر ٹیکا ہونا :	کسی کام کا کسی پر موقوف ہونا۔ (نور اللغات) (ص ۸۰)
سرسائیاں :	سرسائی : مہارت، ہنرمندی، عمدگی، برتری (پلیٹس)
سُر ملانا :	ساز کے پردوں یا سُروں کی آواز کو بولوں کے مطابق کرنا۔
سُرنا :	شہنائی کی قسم کا ساز۔ سور بمعنی جشن اور نے یا نا بمعنی بنسی، جشن یا شادی کے موقعے پر خوشی کا اعلان کرنے کو قدیم زمانے میں بجایا جاتا تھا اور اب بھی کہیں کہیں اس کا رواج ہے۔
سَرونج :	یہ غالباً "مروج" کی بدلی ہوئی صورت ہے۔

مروج : سہاگ پُڑے کی چیزیں، یعنی بالچھڑ، کپور، کچری، صندل مشک دانہ وغیرہ خوشبودار اشیا۔ شادی کی قدیم رسموں میں ایک یہ رسم بھی تھی کہ دولھا کے ایک ہاتھ سے مروج پسوایا جاتا تھا۔ یہ بڑی مشکل سے باریک ہوتا، جب دولھا کا ہاتھ تھک جاتا تو سات

سہاگنیں دولھا کا ہاتھ ہٹا لیتیں، جب پس چکتا تو دولھا اور سہاگنوں سے دلھن کی مانگ میں بھرواتے تھے۔ (رسومِ دہلی)

سَطْح : چھت۔ کوٹھا۔ اوپر کی ہموار جگہ۔

سَقْف : چھت۔

سُگھڑائی : اڑانا کی جنس کا راگ۔ رات کے دوسرے پہر گایا جاتا ہے۔ اڑانا اور سُگھڑائی دونوں بھیروں راگ سے نکلے ہیں۔

سَلْسَبِیل : بہشت کی ایک نہر کا نام۔

سَلَف : گزرا ہوا، اگلے زمانے کے لوگ۔ آبا و اجداد۔

سَلْونے : نمکین چیزیں۔ (ص ۱۳۹)

سَما : آسمان۔

سُمَرَن : تسبیح، مالا، وہ بلّور یا کانچ یا مونگے کے چند دانے جو بہ طورِ تسبیح ہر وقت ہاتھ میں رہتے ہیں۔

سَمَنْد : وہ گھوڑا جس کا رنگ سونے کے رنگ سے مشابہ ہو اور دُم سیاہ ہو۔

سُنْبُلہ : جَو، گیہوں وغیرہ کی بالی۔ آسمان کے چھٹے بُرج، یعنی کنیا راس کا نام۔ جو ایک لڑکی کی صورت میں واقع ہوا ہے۔ چونکہ اس کے ہاتھ میں گیہوں کی بالی بھی ہے۔ اس وجہ سے یہ نام رکھا گیا۔

سُنبلستان : زلفین، بال۔ (ص ۱۰۶)

سِنْجاف : جھالر، حاشیہ، چوڑی اور آڑی گوٹ۔ وہ کنارہ یا گوٹ جو پوشاک کے گرداگرد لگائیں۔

سَنگت : سازندے کے ساز کی آواز کے ساتھ لَے ملانے والا۔ ساتھی باجے والا۔ ساتھی گویا جو راگ کے ساتھ لَے ملائے۔ جڑواں باجوں میں کا ایک باجا جیسے طبلے کا بایاں۔

سنگِ فرش : وہ تراشے ہوئے پتّھر جو زمین کے چاروں کونوں پر اس لیے رکھ دینے

ہیں کہ ہوا سے نہ اُڑ سکے۔ (ص ۶۴)

سواد : سیاہی، اطراف، آس پاس، جب مسافر کسی شہر کے قریب پہنچتا ہے، دور سے ایک قسم کی سیاہی فضا میں نظر آتی ہے، اس کو بھی سواد کہتے ہیں۔

سوت بوٹی : کپڑے پر ایک طرح کا سوئی کا کام، کارچوبی کا کام۔ (ص ۴۱)

سورۂ نور : قرآنِ پاک کی ایک سورت کا نام جو اٹھارویں سیپارے میں ہے۔ اس کے خواص میں سے یہ خاصیت بھی مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص اس صورت کو سات مرتبہ صدقِ دل اور کامل اعتقاد سے پڑھے تو بہتان سے نجات پائے گا اور بازو پر باندھے تو شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہے گا۔

سوس (واو معروف) : پانی کے ایک جانور کا نام جو پانی پر اکثر مشک کی طرح تیرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ گھڑیال۔ خوکِ آبی۔ (آصفیہ)

سُوفار : تیر کا پچھلا سرا، تیر کے اگلے سرے کو جس پر لوہے کا نکیلا پھل لگا ہوتا ہے، پیکان کہتے ہیں اور پچھلے سرے کو سوفار۔ بغیر پھل کا تیر۔

سوفار پیکاں کیا : مشق سے اس قدر صفائی حاصل کی کہ تیر کے سوفار میں پیکاں کی طرح تیزی پیدا ہوگئی۔ (ص ۴۳)

سَوگَند : قسم۔

سول : (واو معروف)۔ کانٹا، برچھی کی نوک۔

سُوہا : (واو مجہول)۔ باریک قسم کا ریشمی یا سوتی سُرخ رنگ کا کپڑا، مختلف مقامات پر مختلف ناموں مثلاً شالبان، تند، سالو، مدرا، سے موسوم کیا جاتا ہے۔

سُہاگ : ایک خاص قسم کے گیت جو عورتیں شادی میں گایا کرتی ہیں۔ یہ دو طرح کے ہوتے ہیں : جو گیت دولھا کی طرف سے دلھن کے شوق میں گائے جائیں۔ وہ سہاگ، اور جو دلھن کی طرف سے دولھا کی تعریف میں گائے جائیں اُن کو سہاگ گھوڑیاں کہتے ہیں۔ (ص ۱۴۱)

سَہی : سیدھا، موزوں۔

سُہیل : ایک نہایت چمکدار مشہور ستارہ، جو ملکِ یمن کی طرف طلوع ہوا کرتا ہے، اور جس کے لیے مشہور تھا کہ اس کی تاثیر سے چمڑے میں خوش بو پیدا ہو جاتی ہے اور کل حشرات الارض مر جاتے ہیں۔

سیلی (یاے مجہول) : وہ بالوں کی ڈوری یا سیاہ ریشم یا تاگوں کی لڑی جو اکثر جوگی یا معشوق گلے میں پہنتے ہیں۔

سیماب : پارہ۔

سیم بَر : چاندی جیسے جسم والا۔ گورا چٹا، حسین۔

سیوتی : ایک قسم کا سفید گلاب۔ نسترن۔

شادِیانہ : خوشی کا باجا، خوشی کے گیت، خوشی کے نوبت نقارے۔

شبِ چاردَہ : چودھویں رات۔

شبدیز : سیاہ گھوڑا۔ خسرو پرویز کے سیاہ گھوڑے کا نام۔

شب کور : وہ گھوڑا جس کو رات میں سیاہ اور سفید چیز میں تمیز نہ ہو، اس حالت کو گھوڑے کی نگاہ کا نقص خیال کیا جاتا ہے۔ (ص ۶۲)

شبنم : ململ کی ایک قسم۔ ہندوستان میں ململ کے قدیم نام حسبِ ذیل تھے : آبِ رواں، آرنی، ایولائی یا آلابالی، جہازی، شبنم، ململ خاص۔ (ص ۵۱)

شَبّو : ایک سفید پھول جس میں بھینی بھینی خوشبو آتی ہے اور رات کو کھلتا ہے۔ اس کے درخت کا بھی یہی نام ہے۔ (آصفیہ)

شِکستہ : خطِ تعلیق کی ایک دوسری طرز جو زود نویسی کے لیے اصولِ خوش نویسی کو نظر انداز کر کے قلم کی روانی پر وضع کی گئی تھی دفتری اور کاروباری ضرورت کے لیے، اس کو گھسیٹ لکھت کہا جائے تو بجا ہے۔ اس کی ابتدا اور ترقی شاہ جہاں کے عہد میں ہوئی جب کہ مال یا دیوانی کا کام بہت بڑھ گیا تھا۔ سعد اللہ خاں کی وزارت کے زمانے میں مکتوب نگاری کے لیے اس خط نے خوب رواج پایا۔ اس کو خطِ دیوانی بھی کہا جاتا ہے۔

شکیب : صبر۔
شِگوفہ : کلی۔
شمس : سورج۔
شہانی منہدی : شوخ رنگ منہدی، گہرے رنگ کی منہدی۔
شہنا نواز : شہنائی بجانے والے۔
شَید : مکر۔
شیریں : میٹھا، خوشگوار، عزیز، پیارا، نرم ملائم، رسیلا۔
شیریں رقم : خوش نویس کی صفت۔

(ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ۔ ف۔ ق)

صَباحت : خوب روئی، سفید رنگ ہونا، سفیدی جس میں خفیف زردی شامل ہو۔
صَبوحی : وہ شراب جو صبح کے وقت پی جائے۔

صحرا نوَرد :	جنگلوں میں پھرنے والا۔
صُعوبَت :	دقت، مصیبت، تکلیف۔
صَہبا :	شراب۔
صَید :	شکار۔
طاس :	بڑا تھال۔ لگن۔
طالع :	طلوع ہونے والا۔ نصیب۔ قسمت۔
طالع شناس :	نجومی۔ جوتشی۔
طرب :	خوشی، انبساط۔
طرب ناک :	خوش
طُرُق :	طریق کی جمع۔
طریق :	مذہب، رواج، دستور، ڈھنگ، راستہ۔
ظُلمات :	ظلمت کی جمع، اُردو میں بطورِ مفرد مستعمل ہے، اندھیرے، تاریکیاں وہ تاریکی جس میں مشہور روایت کے مطابق آبِ حیات کا چشمہ پنہاں ہے۔
عاصے :	عصا کی جمع۔ (ص ۴۸)
عالِمُ الغَیب :	خدائے تعالا۔ جو غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔
عالی گُہر :	عالی خاندان۔ اونچے گھرانے کا۔
عِذار :	رُخسار، گال۔
عَرَق :	پسینا۔
عَروس :	دُلھن۔
عَروسانہ :	دلھن کی طرح۔

عُروسُ الخُطوط:	باوصفِ تلاش اس نام کا کوئی خط دریافت نہیں ہوا۔ غالباً اس سے خطِ نستعلیق مراد لیا گیا ہے اس رعایت سے کہ وہ حسین ترین خط ہے۔
عَزّ وَ جَل:	لفظی معنی: غالب ہوا اور بزرگ ہوا۔ خدائے تعالیٰ کی صفت میں مستعمل ہے۔
عُطارِد:	دوسرے آسمان پر ایک ستارہ ہے، جس کو دبیرِ فلک بھی کہتے ہیں اور منشیِ فلک بھی۔ علم و عقل اُس سے متعلق ہیں۔
عطارِد رقم:	بہت اچھے دبیر اور منشی کی تعریف میں استعمال کیا جاتا ہے۔
عُظم:	بڑائی، بزرگی۔
عُقدہ:	گرہ، گتھی، مشکل بات۔ پیچیدہ مسئلہ۔
عقدہ کُھلنا:	حقیقت ظاہر ہونا۔ بھید کھلنا۔ مشکل مسئلہ حل ہو جانا۔
عِلمِ لَدُنی:	وہ علم جو بغیر استاد کے، محض روحانی فیض اور فضلِ الٰہی سے حاصل ہو۔
عَماری:	ہاتھی کا ہودا۔ جو اُس کی پیٹھ پر بیٹھنے کے واسطے رکھتے ہیں۔
عہدے سے نکلنا:	فرض ادا کرنا، ذمّے داری کو پورا کرنا۔
عَین:	آنکھ، چشمہ، ہو بہ ہو، ٹھیک ٹھیک۔
غُربت:	پردیس، مفلسی۔
غَفور:	خطا بخشنے والا۔
غَنی:	مال دار۔ بے نیاز۔
غَوامِض:	چھپی ہوئی باتیں، باریکیاں۔
غَیّور:	بہت رشک کرنے والا۔ بہت غیرت کرنے والا۔
فِتراک:	شکار بند، وہ چمڑے کے تسمے جو زین کے دائیں بائیں شکار یا ضروری

	سامان باندھنے کے واسطے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔
فَرَح :	خوشی، شادمانی۔
فَرُّخ :	مبارک، خوش چہرہ۔
فرخ سِیَر :	اچھی خصلتوں والا۔
فَرخُندہ :	مبارک۔
فرخندہ فال :	خوش نصیب۔
فَرد :	ایک، ایک شعر، حساب کی فہرست، وہ کاغذ جس پر محرر حساب کتاب لکھتے ہیں۔ رجسٹر۔
فشار :	نچوڑنا، بھینچنا۔
فَق ہوجانا :	چہرے کا رنگ اُڑ جانا۔ حیران و پریشان رہ جانا۔
فِگار :	زخمی۔
فِندَق :	ایران کے ایک مشہور میوے کا نام جو نہایت سُرخ اور جھاڑی کے بیر کے برابر ہوتا ہے۔ کنایتاً: مہندی لگی ہوئی انگلیوں کا سرا۔
فیروز بخت :	کامیاب، خوش نصیب۔
قانون :	ایک مشہور رومی باجے کا نام جس میں بہت سے تار ایک تختے پر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔
قَبضہ :	موٹھ، دستہ، قابو، اختیار۔
قَدَح :	پیالہ، بڑا پیالہ۔
قِران :	دو ستاروں کا ایک بُرج میں جمع ہونا۔ مجازاً: دو اچھے آدمیوں کا ایک جگہ جمع ہونا۔ (ص ۶۲)
قُرعہ :	تانبے، پیتل، جست یا ہاتھی دانت وغیرہ کا بنا ہوا پانسا جسے

ڈال کر، رمّال غیب کی باتیں بتلاتے ہیں۔

قَرقَرا : ایک پرندہ۔

قَرنا : سینگ کا بنا ہوا بگل۔ نرسنگھا۔ تُرھئی۔

قَشقَہ : ٹیکا، تلک، ماتھے کی بندی یا وہ علامت جو ہندو حضرات اپنی اپنی قوم کے رواج کے مطابق صندل وغیرہ کی ماتھے پر لگاتے ہیں۔

قضارا : اتّفاقاً۔

قُلبانہ : دیکھیے قول۔

قُلّتَین : پانی کے دو بڑے مٹکے، پانی کے ایسے دو ظرف جس میں دس دس من پانی آجائے۔ ٢٠ من پانی کی مقدار۔ امام شافعی کے مذہب میں اتنا پانی استعمال سے نجس نہیں ہوتا۔ مجازاً: نہایت استعمال میں آیا ہوا پانی، ناپاک پانی۔ (ص ٤٥)

قُور : فیتا جو کپڑوں کے حاشیے پر لگاتے ہیں۔ (ص ٩٢)

قول : قول و قلبانہ حضرت امیر خسرو کی ایجاد ہیں۔ بولوں کا مجموعہ جو کسی حدیث یا عربی جملے پر مشتمل ہو، اس میں ترانے (بے معنی لفظ) کے بول بھی شامل کر لیے جاتے ہیں۔ قول اور قلبانہ میں فرق یہ ہے کہ قول صرف ایک تال اور راگ میں گایا جاتا ہے اور قلبانہ میں کئی راگ اور تالیں مدغم ہوتی ہیں۔ کئی ٹکڑے ہوتے ہیں، ہر ٹکڑا، راگ اور تال کے ساتھ بدلتا جاتا ہے۔

(ک۔ گ۔ ل)

کامِ جاں بر آنا : دلی مراد پوری ہونا۔ (ص ١٥)

کاہ : کٹی ہوئی سوکھی گھاس۔

کَبود : نیلا۔

کَتان : ایک باریک کپڑا، شاعروں نے اس کی نسبت یہ خیال کیا ہے کہ وہ چاندنی میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ (ص ٢٣)

کُچیں :	چھاتیاں۔
کُحل :	سُرمہ۔
کُحلُ البَصر :	آنکھوں کا سرمہ۔
کِدارا :	ایک راگ جو رات کو گایا جاتا ہے۔
کَرخُت :	سخت۔
کِرن :	سنہری یا روپیلی بادلے کی بُنی ہوئی جھالر، ایک انگل تک چوڑی کو اَنگشتیا اور دو انگل چوڑی دو انگشتیا کہلاتی ہے اور معمول سے زیادہ لمبی جھالر کی کرن اصطلاحاً آنچل کہلاتی ہے۔
کَرن پھول :	(کَرن : کان) جُھمکا، مُندے کی قسم کا زیور، جس کی مُرکی کٹوری کی شکل کی جڑاؤ اور سادہ دونوں قسم کی ہوتی ہے۔ اس کے دور میں مختلف وضع کے آویزے بطور جھالر کے لگائے جاتے ہیں اور کٹوری کے بیچ میں ایک آویزہ بہ طور لنگر کے لٹکا ہوا ہوتا ہے۔
کَسب :	حاصل کرنا، کمانا۔ مجازاً: پیشہ، حرفہ، کام دھندا، ہنر، فن۔
کَسبِ تفنگ :	بندوق چلانے کا فن۔ (ص ۴۳)
کَسنے :	کَسن کی جمع، پلنگ کسنے کی ڈوری، پلنگ کی چادر کسنے کی ڈوری، جس میں جھبّے لگے ہوتے ہیں، چاروں پایوں پر چادر کو اس سے کس دیا جاتا ہے کہ بستر پر شکن نہ پڑنے پائے۔ (ص ۵۱)
کِشت :	کھیتی۔
کُشود :	کھلنا، فائدہ، کام یابی۔
کفِ دست میدان :	وہ لق دق میدان جس میں دور تک درخت یا آبادی کا نام نہ ہو۔

کفش : جوتا۔

کَفَک : ہاتھ کی ہتیلی ، پانو کا تلوا۔

کلغی : ایک خاص پرندے کے چند خوش نما پر جنھیں پگڑی ، ٹوپی یا تاج میں لگاتے ہیں۔ پروں کا خوش نما گچھا جو بعض پرندوں کی چوٹی پر قدرتی ہوتا ہے۔

کمانچہ : طاؤس ، کمانچہ ، دلربا ؛ تینوں سارنگی کی قسم کے ایک انداز کے ساز ہیں۔ سارنگی میں پردے نہیں ہوتے ، ان میں ہوتے ہیں ، اگر مور کی شکل کا ہو تو اسے طاؤس کہتے ہیں ، نہیں تو کمانچہ۔ یہ سارنگی کی طرح گز سے بجایا جاتا ہے۔

کمان کے درپے ہوا : تیر اندازی سیکھنے کی طرف توجہ کی۔ (ص ۴۳)

کَمری : وہ گھوڑا جو چڑھائی پر نہ چڑھ سکے ، یا مشکل سے چڑھے۔ (ص ۶۲)

کُن : عربی میں فعل امر کا صیغہ ، ہو جا ، ظاہر ہو۔

کِنار : آغوش ، بغل۔

کِناری : پانچ ، چھے انگل چوڑا گوٹا۔

کِناری کے جوڑے (واو مجہول) **:** وہ جوڑے جن میں کناری لگی ہوئی ہو۔

کَنچَن : سونا۔

کَنچَنی : رنڈی ، کسبی ، ناچنے والی۔

کُنِشت : بُت خانہ ، آتش کدہ ، یہودیوں کی عبادت گاہ۔

کُنویں جَھکانا : دربدر پھرانا ، مصیبت میں ڈالنا ، آفت میں پھنسانا۔ (ص ۸۷)

کُوتل : سوار کے ساتھ کا دوسرا ہمراہی گھوڑا جو بہ وقتِ ضرورت کام آئے۔ ایسے گھوڑے عام طور سے بادشاہوں اور امیروں کی سواری کے ساتھ رہتے ہیں تاکہ اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو دوسرا گھوڑا فوراً بدل دیا جائے۔

کَون و مکاں : دُنیا جہان۔

کُہ : کوہ کا مخفّف، پہاڑ

کھجوری چوٹی : ایک قسم کی لہردار کھجور کے پتّے کی وضع کی پیچ در پیچ مضبوط گندھی ہوئی چوٹی۔

کھَرج : سُر بلندی و پستی کے اعتبار سے ، سات درجوں پر تقسیم کیے گئے ہیں۔ کھرج پہلے سُر کا نام ہے جو سب سے پست اور مخرج اُس کا ناف ہے، اس کی آواز مور کی آواز کے مانند ہوتی ہے۔

کہکشاں : وہ لمبی سفیدی جو اندھیری رات میں سڑک کے مانند آسمان پر دور تک گئی ہوئی نظر آتی ہے، اور اصل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے تاروں کی ایک قطار ہے۔ کہکشاں اس وجہ سے نام رکھا گیا کہ جس طرح کوئی شخص گھانس رسّی میں باندھ کر کھینچتا ہوا دور تک لے جاتا ہے اور اُس سے زمین پر نشان پڑ جاتے ہیں۔ یہی صورت اس کی ہے۔

کُہنہ لنگ : پیدائشی لنگ کرنے والا گھوڑا جس کا وہ نقص یا عیب لا علاج ہو۔ (ص ۶۲)

کھیت رہا : فریفتہ ہو گیا۔ جان و دل سے عاشق ہو گیا۔

کہے تو : گویا۔ جیسے۔

کِھیس (یائے مجہول) : دوسوتی چادر۔

کِہین و مِہین : چھوٹے بڑے۔ (ص ۴۹)

کیتکی : ایک مشہور خوشبودار پودے کا نام جو کیوڑے کے درخت کے مشابہ اور اُس کا پھول انڈے کے مانند ہوتا ہے۔ ہندی شعرا کا خیال ہے کہ بھونرا اس پر عاشق ہے۔

گات : وضع، اسلوب، جسم کی خوش نمائی، دھج۔ (ص ۷۱)

گاتی باندھنا : دوپٹے کو سینے اور کمر سے کسی کام کے واسطے باندھنا۔

گائک : گویّا۔

گٹکری : وہ پیچیدہ آواز جو گانے والوں کے گلے سے لہرا کر نکلتی ہے۔ لہراتی ہوئی آواز۔ مُرکی

گٹکری لینا : گاتے گاتے آواز کو لہرا دینا۔

گچ : سفیدی اور دریا کا ریت ملا کر نقش و نگار بنانے اور منبّت کاری کے لیے تیار کیا ہوا ایک قسم کا چونا۔ یہ مرکّب بہت عمدہ اور پائدار ہوتا ہے اس مسالے کی یہ خاصیت ہے کہ اگر اس پر پانی کا اثر نہ ہو تو سیکڑوں برس قائم اور کارآمد رہتا ہے۔ بعض مقامات پر معمولی چونے کو گچ کہتے ہیں۔

گِراں بار : بھاری بوجھ میں لدا ہوا۔

گُرد : پہلوان، بہادر۔

گردن کا ڈورا : رقّاصوں کی اصطلاح میں ناچنے والوں کی گردن کی جنبش کو ڈورا کہتے ہیں۔ خصوصاً طوائفوں کا وہ انداز جو رقص کی حالت میں خوش ادائی کے اظہار کی غرض سے گردن کی حرکات کے وسیلے سے ظاہر ہو۔ (ص ۳۰)

گُرگ : بھیڑیا۔

گرم و سردِ جہاں : زمانے کے حادثات، رنج اور آرام۔

گرم ہونا : ناراض ہونا، غصّہ کرنا۔

[بہت گرم ہیں آپ : بہت ناراض ہیں آپ۔] (ص ۱۱۲)

گرمی کے چہرے : خوشی یا شوخی و طرّاری کے جوش میں تمتماتے ہوئے چہرے۔

گزند : صدمہ، نظرِ بد، نقصان۔

گُل : قول و قلبانہ اور نقش کی طرح کا راگ ——— یہ فارسی کے صرف ایک بہاریہ شعر پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس میں ترانے کے بول شامل نہیں ہوں گے۔

گُلابی : چھوٹی رنگین بوتل جس میں شراب اور گُلاب رکھتے ہیں۔

[بلوریں گلابی : بلور کی بنی ہوئی گلابی]

گُلِ آفتاب : سورج مکھی کا پھول۔

گُلِ اَشرفی : ایک قسم کا زرد رنگ کا گول پھول۔

گُل برگ : گلاب کی پنکھڑی۔

گُل تکیے : وہ چھوٹا گول تکیہ، جسے سوتے وقت نازک لوگ رخساروں کے نیچے رکھ لیتے ہیں (ص ۵۱)

گُل جھڑی : شکن، گرہ، گُتھی۔ دل کی کدورت۔

گُل جھڑی کُھلی : غم کی گرہ کُھل گئی۔ (ص ۴۴)

گلستاں کا بابِ پنجم پڑھنا : عشق و عاشقی کی باتیں کرنا۔ کتاب گلستاں کے پانچویں باب کا عنوان ہے " در عشق و جوانی "۔

گُلفام : گُلاب کے سے رنگ والا شخص، کنایتاً: حسین معشوق۔

گُل کھانا : عشق جتانے کے واسطے جسم پر داغ کھانا۔ معشوق کے چھلّے یا کسی اور زیور کو آگ پر لال کر کے اپنے ہاتھ یا سینے پر بطورِ یادداشت داغ دینا۔

گُلگوں : گُلاب کے رنگ کا۔ سُرخ۔

شیریں کے گھوڑے کا نام۔ مجازاً : ہر ایک عمدہ گھوڑا۔

گُلگیر : شمع یا چراغ کی بتّی کترنے کی قینچی

گُمک : طبلے کی گونج دار آواز، بائیں کی آواز۔

گنجفہ : قدیم دیسی گھریلو کھیل جو تاش کی طرح کھیلا جاتا تھا۔ اس کا پتّا تاش کے برخلاف، گول گتّے کی شکل کا اور اوسط درجے میں انگریزی روپے کے

برابر ہوتا ہے۔ گنجفے کی آٹھ بازیاں اور چھیانوے پتّے ہوتے ہیں اور تین کھلاڑیوں میں کھیلا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں جلدِ سوم)

گوکھرو : ایک کانٹے کا نام جو تکونا ہوتا ہے۔
مقیش یا دھنک وغیرہ کا گوکھرو کی مانند تکونا موڑا ہوا گوٹا جو اکثر عورتوں کے دوپٹوں اور بچّوں کی ٹوپیوں میں ٹانکا جاتا ہے۔ (ص ۱۴)

گوہرِ شب چراغ : نہایت شفاف رنگ کا منوّر یاقوت جو دہکتے ہوئے کوئلے کی طرح اندھیرے میں چمکے۔ (فرہنگِ اصطلاحات)

گھائیاں : گھائی کی جمع، فنِ بانک اور پٹے کی ایک اصطلاح۔
گھائی : حریف پر تلوار یا لکڑی سے سلسلے وار مقررہ ضربیں لگانے کے مجموعے کا اصطلاحی نام۔ ضربوں کی تعداد اور بچنے کی نوعیت کے اعتبار سے اُستادانِ فن نے گھائیوں کے مختلف نام رکھ لیے ہیں۔ (تین ضربوں سے بارہ ضربوں تک کی ایک گھائی ہوتی ہے)۔ (ص ۳۳)

گھڑت : بناوٹ۔
گھوڑیاں اور سُہاگ : دیکھیے سہاگ۔
گیتی : (یائے مجہول)۔ دنیا۔ زمانہ۔
گیو : ایک مشہور ایرانی پہلوان کا نام، جس کا ذکر شاہ نامے میں آیا ہے۔
لاتقنطو : نااُمید نہ ہو
لاف : ڈینگ، شیخی، خودستائی، گھمنڈ۔
لاہی : دریائی۔ گلبدن کی وضع کا دھاری دار یا سادہ دبیز قسم کا ریشمی کپڑا۔ سادہ، مردانہ پسند اور دھاری دار، زنانہ پسند کہلاتا ہے۔ پیلی زمین

اور لال دھاری کا عام طور سے زیادہ خوش وضع سمجھا جاتا ہے۔

عربی: دیبا۔ فارسی: دارائی۔

پھول دار لاہی کو لاہی پُھلکاری اور بُندکی دار کو لاہی مینا کہا جاتا ہے۔

(فرہنگِ اصطلاحات)

لَٹک : لٹکنے کا حاصل مصدر، کسی چیز کا لٹکنا۔ جھالر۔ (ص ۷۱)

لٹکن : کرن پھول۔ یہاں مراد ہے سنہرے طُرّے سے۔ (ص ۴۶، ۷۱)

[موتی کی لٹکن: موتیوں کا بنا ہوا آویزے دار طُرّہ]

لَچھمی : طبلے کی ایک تال کا نام۔

لَخت : ٹکڑا۔

لَخلَخہ : چند خوشبو دار چیزوں (مثلاً عنبر، مشک، عودِ قماری، کافور وغیرہ) کا مجموعہ: جسے ملا کر سونگھتے ہیں۔ مریضوں کو بھی تقویتِ دماغ کے لیے سُنگھاتے ہیں۔

لڑی: تاگے میں اکہرے اور برابر برابر پروئے ہوئے پھول، موتی وغیرہ۔

لُعبَت : گُڑیا، مورتی، پُتلی، کھلونا۔

لُعبَتِ چین : چینی گُڑیا۔ حسین محبوب۔

لَغزِش : پھسلن، ڈگمگاہٹ، کپکپاہٹ۔ مراد ہے ایسی مصیبت سے جس میں سب کے قدم ڈگمگا گئے۔ (ص ۲۴)

لَق و دَق : وہ سخت ہموار زمین جس میں نہ درخت ہوں نہ گھاس پات۔ چٹیل میدان۔

وہ میدان جہاں دُور تک یکساں زمین چلی گئی ہو اور آدمی ہو نہ آدم زاد۔ بلکہ درخت تک نہ ہوں۔

لکڑی : پٹا، پھکیتی کا فن۔

لکڑی پہ من رکھا : پٹا، پھکیتی کو سیکھنا چاہا۔ (ص ۴۳)

لکھوٹا : لاکھا کی تصغیر، پان یا شہاب کی وہ سُرخی جو عورتیں مسّی ملنے کے بعد ہونٹوں پر لگا لیتی ہیں۔

لگن دھرنا : شادی کا دن مقرر کرنا۔ (ص ۱۳۷)

لُنج : ہاتھ پانو سے معذور۔

لَو لگنا : دُھن بندھنا، خیال بندھنا، ہر وقت دھیان لگا رہنا۔

لہلہا : لہراتا ہوا، ہوا سے لہراتا ہوا سبزہ۔ سرسبزی و شادابی کا جوش مارنا۔

لَیل و نہار : رات دن۔

(م)

مالا : سونے یا چاندی کے بنے ہوئے گول دانوں کا ہار کی قسم کا گلے میں پہننے کا زیور۔ دانے نقشیں اور کمرخی بھی بنائے جاتے ہیں۔ موتی یا سچے نگوں کا اعلا قسم کا سمجھا جاتا ہے اور وہی در اصل مالا کہلاتا ہے۔ سونے یا چاندی کا بنا ہوا اُس کی نقل ہوتا ہے۔ گول دانے کی مالا کو مٹر مالا کہتے ہیں۔

مالے : مالا کی جمع۔

مالکُ الملکِ دنیا و دیں : دین و دنیا کا شہنشاہ۔ خدا۔ (ص ۱۶)

ماندگی : تھکاوٹ۔ بیماری۔

ماہِ نخشب : وہ چاند جو حکیم ابنِ عطا معروف بہ مُقنّع نے پارے وغیرہ کے اجزا سے بنایا تھا۔ یہ چاند دو مہینے تک رات کو اُس کنویں سے جو کوہِ سیام کے دامن میں واقع تھا، نکلا کرتا تھا اور چار فرسنگ تک اس کی روشنی

پہنچتی تھی۔ ماہِ نخشب اس وجہ سے کہتے ہیں کہ نخشب، ماوراء النّہر کے ایک شہر کا نام ہے جہاں یہ چاند بنایا گیا تھا۔ (غیاث اللغات)

ماہی مراتب : وہ اعزازی نشان جو بادشاہوں کی سواری کے آگے آگے ہاتھیوں پر چلا کرتے تھے۔ اصل میں یہ سات شکلیں، سات سیّاروں کے اعتبار سے بہ تفصیلِ ذیل ہوا کرتی تھیں : ہیکلِ آفتاب یعنی سورج کا نشان، نشانِ پنجہ، نشانِ میزان، اژدہا پیکر، سورج مکھی، مچھلی، گولا یا کُرہ۔ (آصفیہ)

مایہ : پونجی، سرمایہ، اصل مال۔

مایۂ نور : نور کا سرمایہ، روشنی کی دولت۔

مُباف : موباف کا مُخفّف۔ وہ کپڑے کی دھجّی، پٹّی یا فیتا جسے عورتیں چوٹی میں گوندھتی ہیں۔ چوٹی باندھنے کا کپڑا۔

مُتّصِل : برابر۔ ہمیشہ۔ ملا ہوا۔

مثلّث : تکونی شکل کو کہتے ہیں۔ تین ضلعوں کی شکل۔ علمِ تعویذات میں ایک نقش کا نام جس میں نو خانے ہوتے اور اسے مربّع سے زیادہ موثّر خیال کرتے ہیں۔

مُجرا : ادب کے ساتھ کسی کو سلام کرنا، رقّاصوں اور مغنّیوں کا شادی کی محفل میں بیٹھ کر گانا۔ باریابی۔ امرا اور بادشاہوں کا سلام۔

مُحافہ : وہ پردے دار سواری جس میں عورتیں بیٹھتی ہیں۔

مُحِب : دوست۔ محبّت کرنے والا۔

مَخلِصی : رہائی، نجات، چھٹکارا۔

مُدام : ہمیشہ۔ شراب۔

مَدَن بان : ایک مشہور پھول کا نام جو بیلے کی قسم سے ہوتا ہے۔

مُرَبّع : وہ سطح جس کے چاروں ضلعے برابر اور چاروں زاویے قائمہ ہوں۔ ہر چوکور چیز جس کی لمبائی چوڑائی برابر ہو۔
سولہ خانوں کا تعویذ۔

مُرَبّع بیٹھنا : چار زانو بیٹھنا۔ پالتی مار کر بیٹھنا۔ (ص ۱۲۵)

مُرَچَنگ : (مُچنگ، مُرجونگ) سہ شاخہ برچھے کی شکل کا تار والا چھوٹا سا ایک سُرا قدیم باجا، اس کی آواز بہت سُریلی ہوتی ہے (ص ۳۰)

مردانِ کار : کام کے لوگ، وہ لوگ جو کام کو خوبی کے ساتھ انجام دے سکیں۔ (ص ۲۲)

مِردَنگ : پکھاوج کی قسم کی مگر اس سے زیادہ لمبی اور پتلی پرانی وضع کی ڈھولک۔

مُرسَل : بھیجا گیا، پیغمبر۔

مُرَصَّع : نگینے یا جواہرات جڑا ہوا۔

مُرَصَّع کا کام : جڑاؤ کام۔

مُرغِ قبلہ نُما : وہ مُرغ جو قبلہ نما (پچھم کی سمت بتانے والے) آلے کے اندر، قبلے کی سمت ظاہر کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ اس کو طائرِ قبلہ نما بھی کہتے ہیں۔ اس کا رُخ قبلے کی طرف ہوتا ہے اور جب ٹھہرتا ہے تو اُدھر ہی کو منہ رہتا ہے۔

مِرگ چھالا : ہرن کی بالوں سمیت کھال، جسے اکثر جوگی یا عبادت کرنے والے متبرک سمجھ کر پوجا کے وقت اُس سے آسن کا کام لیتے ہیں۔ مسلمان بھی اس کی جانماز بناتے ہیں۔

مَزرَع : کھیتی۔

مِژگاں دراز : لمبی پلکوں والائیاں کنایہ ہے سورج سے شعاعوں کی نسبت سے۔ (ص ۱۳۳)

مِژہ : پلک۔

مِژگاں : مژہ کی جمع، پلکیں۔

مَشّاطہ : وہ عورت جو عورتوں کا بناؤ سنگار کرائے۔

مُشَبّک : جس میں باریک باریک سوراخ ہوں۔ جالی۔

مُشتَعِل : بھڑکتا ہوا، شعلہ زن۔

مُشتَق : وہ لفظ جو کسی دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہو، وہ صیغہ جو مصدر سے بنا ہو۔ ماخوذ۔

مَشعَل فَروز : مشعل جلانے والا۔

مُشیر : مشورہ دینے والا۔ رائے دینے والا۔ مصاحب۔

مَصاف : لڑائی۔ لڑائی کا میدان۔

مُضمَحِل : سُست، اُداس، نڈھال۔

مُطرِب : گانے والا۔

مُطَلّا : سنہرا۔ طلائی۔

معانی : ایک علم کا نام جس سے الفاظ کے استعمال کا محلِ صحیح اور معانی کا درست یا نادرست ہونا معلوم ہوتا ہے۔ نیز عبارت کو بد اسلوبی سے بچاتا ہے۔

معقول : منقول کا متضاد، منطق و فلسفہ۔ دیکھیے منقول

معمول : وہ بات جو روزمرّہ کی جائے۔ عادت، رواج، دستور۔

مُغَرَّق : جگمگاتا ہوا، سونے یا چاندی میں لپا ہوا۔

مُغلانی : رئیسوں کے گھر کی وہ ملازمہ جس کے سپرد کپڑے سینے کی خدمت ہو۔ یہ نام بہ طورِ خطاب ہے جو غریب شریف ملازمہ کی دل جوئی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے ذمّے گھر کی عام نگرانی بھی ہوتی تھی۔

مفتوح ہو : کھُل جائے۔ (ص ٦٢)

مُقابا: وہ صندوقچہ یا پٹاری جس میں عورتوں کے سنگار کی جملہ چیزیں موجود اور محفوظ رہیں۔ اس کو سنگاردان اور حُسن دان بھی کہتے ہیں۔

مَقال: گفتگو۔

مُقرّر: یقیناً۔ لازماً۔

مُقرّض: قینچی سے کترا ہوا۔ (ص ۶۴)

مُقیّش: چاندی، سونے یا کندے کا چپٹا کیا ہوا باریک تار۔

مَکتب: بچوں کو مکتب میں بٹھانے کی تقریب (ص ۴۲)

مُل: شراب۔

مُلبّس: لباس پہنے ہوئے۔

ملک درگہا: جس کی بارگاہ میں فرشتے حاضر ہوں۔ (ص ۲۷)

مَنازِل: منزل کی جمع۔

مَنال: جاگیر۔ جائداد۔ دولت۔

مَنبع: پانی نکلنے کی جگہ، چشمے کا سوتا۔

من بھائے، مُنڈیا ہلائے: اوپری دل سے انکار کیا جائے۔ (ص ۷۵)

مَنجیرا: (مجیرا) پھیلے ہوئے منہ کی پیتل کی کٹوریوں کی جوڑ، جن کو ٹکرا کر، ساز کے ساتھ بطور باجے کے بجایا جاتا ہے۔

مُندرے: کانچ کے حلقے (کنڈل) جو اکثر جوگی کانوں میں پہنتے ہیں۔

مُنڈکری مارنا: اٹواٹی کھٹواٹی لے کر پڑے رہنا، غمگین حالت میں سونا۔ (ص ۱۰۲)

مَنقبت: بزرگانِ دین کی تعریف۔

منقول: وہ علم جس میں صرف اُن باتوں سے بحث ہو جو دوسروں نے بیان کی ہیں۔ معقول کا متضاد۔ (ص ۴۲)

مَنکے: منکا کی جمع۔ تسبیح کے دانے، پتھر کے گول گول یا لمبے لمبے دانے جو اکثر

فقیر گردن میں ڈالے رہتے ہیں۔

منہ پر ہوائی چھٹنا: دہشت، صدمے، نقاہت یا خوف کے سبب چہرے کا رنگ اڑ جانا۔ منہ سفید پڑ جانا۔ منہ زرد ہو جانا۔ چہرے پر پریشانی برسنے لگنا۔

مُنہنال: وہ تانبے، پیتل، یا چاندی وغیرہ کی بنی ہوئی نلی جو حقے کی نے کے منہ پر لگا دیتے ہیں۔

مُنیر: روشنی دینے والا، چمکتا ہوا۔

مو: بال۔

مو بہ مو: بال بال، ذرا ذرا۔ بالکل۔

مو بہ مو حقیقت کہی: سارا حال بیان کیا۔ (ص ۷۷)

موترا: (موتھرا) گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں کی ایک بیماری کا نام۔ جس میں گھٹنوں کی رگیں پھول اور بڑھ جاتی ہیں اور گھوڑے کو چلنے پھرنے سے معذور کر دیتی ہیں۔ (فرہنگِ اصطلاحات) (ص ۶۲)

مَوجہ: موج، پانی کی لہر۔

مُور: چیونٹی۔

موشگافی: باریک بینی، چھان بین، نکتہ چینی۔

مولوی: مراد ہے مولانا جلال الدین رومی سے۔ (ص ۵۰)

مونس: اُنس رکھنے والا۔ آرام دینے والا، ساتھی، دلی دوست۔

مہِ چاردہ: چودھویں کا چاند۔

مہدی: رہ نما، ہدایت کرنے والا، بارھویں امام۔

مِہر: سورج۔ محبت۔

مُہر: چھاپ۔ انگوٹھی۔

مُہر دار : وہ شاہی ملازم جس کے پاس مہرِ خاص رہتی ہے۔ (ص ۱۸)

میت : (یائے معروف) : دوست، ساتھی، رفیق۔ عاشق۔

میگ ڈَمبر : ہاتھی کی کمر پہ باندھنے کا چھتری دار ہودا، جس کی چھتری بُرجی نما ہوتی ہے۔

- رتھ نما شاہانہ عماری کا نام، جو ہاتھی کے اوپر رکھی جاتی تھی اور اس کی دو بُرجیاں آگے پیچھے ہوتی تھیں، جس میں بادشاہ یا راجا بیٹھتا تھا۔

میل : (یائے معروف) : سلائی۔

مینا : مرصّع کاری، وہ سبز کام جو شیشے، چاندی سونے وغیرہ پہ کیا جائے۔ زری بیل بوٹے میں خالی جگہ پہ سلمے کی بنی ہوئی مُبَندکیاں، جو خالی جگہ کو پُر کرنے کو ٹانک دی جاتی ہیں۔

مینو : (یائے معروف) بہشت، عالمِ علوی۔ رنگ دار شیشہ جو زیور پہ جڑا جاتا ہے۔ سبز یا لاجوردی رنگ کا نگ یا جواہر۔

مینو سواد : زیبا، خوب صورت۔

مینے کے جھاڑ : وہ شیشے کے جھاڑ جن پہ مینا کا کام کیا ہوا ہو۔ دیکھیے مینا۔

(نَ)

نارسیدہ : وہ پھل جو خام ہو۔ نابالغ۔ ناتجربے کار۔

نازبو : ایک قسم کا خوشبودار بوٹا، جس میں سے کالے کالے دانے نکلتے ہیں، ایک قسم کا تُلسی کا درخت۔ (آصفیہ)

ناگن : گردن کے بالوں کی بھونری، جو منحوس خیال کی جاتی ہے۔ (دیکھیے بھونری) (ص ۶۲)

نالکی : لمبی آرام کرسی کی طرز کی تام جھام کی قسم کی سواری، جسے کہار کندھے پر اُٹھاتے ہیں۔ اس میں ایک آدمی پھیل کر لیٹ سکتا ہے۔

نامِ نِکویاں : نیک لوگوں کا نام۔ (ص ۲۲)

نانْو : نام۔

نَبات : مصری۔

نبات چُننا : شادی کی ایک رسم، مصری کی نو ڈلیاں، جو دلھن کے دونوں مونڈھوں، کہنیوں، گھٹنوں، پیٹھ اور ہاتھوں پر رکھ کر، دولھا کے مُنہ سے بغیر ہاتھ لگائے چُنواتے یعنی کھلواتے ہیں۔ اس میں عورتیں دولھا کو خوب ڈہکاتی اور پریشان کرتی ہیں۔

نِپَٹ : محض، بالکل، سراسر، تمام، بہت، پوری طرح۔

نجم : ستارہ۔

نجمِ سعادت : خوش نصیبی کا ستارہ۔ (ص ۲۳)

نَحو : طرح۔ طریقہ۔ ڈھنگ۔ وہ علم جس سے اجزائے کلام کو صحیح صحیح جوڑنا اور اُن کا باہمی تعلق معلوم ہو۔

نحیف : کمزور۔ دُبلا پتلا۔

نخچیر : شکار۔

نخچیر گاہ : شکار کھیلنے کی جگہ۔ شکار گاہ۔

نخلِ ماتم : ایک طرح کی آرایش جو مُردوں کے تابوت پر کی جاتی ہے (پھولوں کی ٹہنیاں وغیرہ لگانا) پہلے یہ طریقہ ایران میں رائج تھا۔ ہندوستان میں (ہندوؤں میں) بوڑھے آدمی کی ارتھی کو اس طرح سجایا جاتا ہے۔

نرت : ناچ، بھاؤ، انداز۔

نِرت کار : ناچنے والے، ناچ میں انداز دکھانے والے۔

نَرگِستاں : وہ مقام جہاں بہت سے نرگس کے درخت ہوں۔

نَژاد : اصل، نسب۔

نَسترَن : سیوتی کا پھول۔

نَسخ : ایک خط کا نام۔ اس کی جلی قلم کی تحریر کو خطِ ثُلث کہتے ہیں۔

نَسرِیں : ایک قسم کا جنگلی سفید گلاب کا پھول۔

نِعَم : نعمت کی جمع۔ نعمتیں۔

نَفرا : نہایت ذلیل نوکر، ادنا آدمی، کمین۔

نَفِیر : نالہ و فریاد، واویلا۔ نفیری۔

نَقش : قول و قلبانہ کی طرح یہ چار مصرعوں کا مجموعہ ہوتا ہے جسے ایک راگ اور ایک تال میں گایا جاتا ہے۔

نَقلِ خواب : خواب کی باتیں، پُرانی کہانیاں۔

نَقِیب : وہ شخص جس کو حسب نسب معلوم ہوں، بھاٹ، لوگوں کے حالات اور خاندان سے واقف شخص۔ وہ لوگ جو بادشاہوں، امیروں اور وزیروں کی سواری کے آگے آگے آواز لگاتے چلتے تھے یا دربار میں کسی کی باریابی یا عطائے خطاب کے موقع پر بہ آوازِ بلند پکارتے تھے۔

نِکات : نکتے کی جمع۔ باریکیاں۔ وہ پاکیزہ اور بلیغ کلام جو ہر ایک کی سمجھ میں نہ آئے۔

نَکھ سِکھ : سر سے پیر تک، ایڑی سے چوٹی تک۔

نَکھ سِکھ سے درست : سب طرح سے بے عیب، شروع سے آخر تک عمدہ اور موزوں۔

نِگار : تصویر، نقش، بیل بوٹے۔ معشوق۔

نَمط : روش۔ طرح۔ ڈھنگ۔

نمگیرا : وہ کپڑا جو اوس کی نمی سے محفوظ رہنے کے واسطے پلنگ پر چھت گیری کی طرح لگا دیتے ہیں۔
مجازاً : شامیانہ، سایبان۔

نمود : دکھاوا، ظہور، اُبھار۔

نَوا : آواز، نغمہ، لَے۔ سامان، توشہ۔

نَوخط : جس کی داڑھی ابھی حال ہی میں نکلی ہو۔ کنایتاً : معشوق۔

نَورَتن : نونگا۔ بازو کا ایک جڑاو زیور جو اک نگے کے مقابلے میں نونگوں کا ہوتا ہے۔

نَوع : قسم، جنس، وضع، طور طریق، ڈھنگ، شکل، منطق کی ایک اصطلاح۔

نوقلم : نوخط۔ جن کی تفصیل خود شاعر نے لکھی ہے۔ (ص ۴۲)

نوکِ زباں کیے : زبانی یاد کیے۔

نہال : تازہ لگایا ہوا پودا۔ درخت۔

نہُڑ کر : جھک کر۔

نہفتہ : چھپا ہوا۔

نہورا : منّت سماجت، خوشامد، احسان رکھنا۔

نیک اختر : خوش نصیب۔

نیمہ : نیمہ آستین، مرزئی سے کسی قدر بڑی، چھوٹے یا آدھے دامنوں کی مرزئی جو اچکن کی وضع پر ہوتی ہے۔

(و۔ ہ۔ ی)

واچھڑے : تعریف کا کلمہ، واہ واہ، کیا خوب۔ (ص ۴۱)

وار : طرح۔ مثل۔

واڑوں : اوندھا، منحوس، اُلٹا۔

وَتیرہ : طریقہ۔ مجازاً: عادت۔

وَحدَہٗ لاشریک : خدا ایک ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔

وَحش : جنگلی چوپایے۔

وَحید : اکیلا۔ یکتا۔

وحیدِ زماں : یکتاے زمانہ۔

وَرے : اِدھر، پاس، نزدیک۔ (ص ۱۶)

وزیرُ المَمالِک : نوابانِ اودھ کا خطاب۔ یہاں مراد ہے آصف الدولہ سے۔

وَش : طرح۔ مانند۔

وِصال : موت، انتقال۔ (ص ۱۰۳)

وَصی : وہ شخص جس کو وصیّت کی گئی ہو۔ وصیّت پر عمل کرنے والا۔ مراد ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے۔ (ص ۱۷، ۱۹)

وَضیع : ادنا، کمینہ، شریف کا متضاد۔

وُقوف : آگاہی، واقفیت، شعور۔

ولے : لیکن، مگر۔

ویا : واو حرفِ عطف (بمعنیِ اور)، اور یا سے مرکب لفظ۔

ہڈّوں کا خلل : گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں کے گھٹنوں کے جوڑ میں رگوں کے اندر جو نئی ہڈی پیدا ہو جاتی ہے، وہ اصطلاح میں ہڈّا کہلاتی ہے۔ یہ دو طرح کی ہوتی ہے، نُکیلی اور ہموار۔ نُکیلی ہڈی کے نکلنے سے گھوڑا چلنے سے معذور ہو جاتا ہے لیکن ہموار ہڈّی چلنے میں حارج نہیں ہوتی۔

ہَر :	(ہڑ) ڈورے میں زیور کے حصے سے ملی ہوئی گاجر کی شکل کی بندش، جس کا چوڑا رخ زیور سے ملا ہوا بنایا جاتا ہے، جو ڈھلوان ہوتا ہوا ڈورے کی سطح سے آملتا ہے، اس کو ڈورے کا منہ سمجھنا چاہیے۔ ہڑ کے اوپر کلابتو لپیٹ کر خوش نما اور چمک دار بناتے ہیں۔ جتنا قیمتی زیور ہوتا ہے، اتنی ہی خوب صورت ہڑ بنائی جاتی ہے۔ (ص ۱۷)
ہر :	مہادیو، شیو، بھگوان۔ (ص ۱۱۲)
ہَربول ہَر :	خدا خدا کر۔
ہِراس :	خوف، ڈر۔
ہِژدہ ہزار :	اٹھارہ ہزار۔
ہِلال :	پہلی رات کا چاند۔
ہِمَم :	ہمت کی جمع۔
ہِم قسم ہوئی :	رفاقت کا عہد کرلیا ہے۔ (ص ۲۵)
ہمیش :	ہمیشہ۔
ہِندَسہ :	عدد، رقم، علم ریاضی کی ایک شاخ کا نام۔
ہَوا :	خواہش، حرص۔
ہَوا بتانا :	ٹالنا، بہلنے سے چلتا کردینا۔
ہَوا دار :	خواہش مند، دوست رکھنے والا۔
ہَوا دارِ خلق :	لوگوں کی بھلائی چاہنے والا۔ لوگوں کو دوست رکھنے والا۔
ہَوا ہونا :	ہوا کی مانند تیز رفتار ہونا، جلد روانہ ہونا، اچانک نظر سے غائب ہونا، ناپید ہونا۔

ہُوتے سُوتے :	عزیز اقارب، رشتے ناتے کے زندہ اور مرے ہوئے لوگ۔
ہُوڑ :	شرط، بازی، داؤ۔
ہُوڑ بد کے :	شرط لگا کر۔ (ص ۲۷)
ہَول :	خوف، دہشت، گھبراہٹ۔
ہَیئت :	وہ علم جس میں اجرامِ فلکی اور زمین کی گردش اور کشش وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔ بناوٹ، صورت، شکل، کیفیت۔ طور طریق۔
ہَیکل :	گردن سے ناف تک لٹکتا ہوا لڑی کی وضع کا زیور، سونا، چاندی، موتی اور جواہرات، حتیٰ کہ پھولوں کا بنا ہوا بھی ہار کے عام نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ گلے میں پہننے کا ایک زیور جس میں تعویذ کے سے گھر بنے ہوتے ہیں۔ (ص ۶۷، ۸۱)
ہَیہات :	افسوس، ہائے ہائے۔
یارا :	طاقت۔ جرأت۔ قدرت۔
یاسَمن :	چنبیلی۔
یَزداں :	خُدا۔
یک دست :	یکساں، برابر، تمام۔ کُل۔
یکسر :	تمام، بالکل، سراسر۔
یک لَخت :	تمام، سرتاپا، سراسر، فوراً۔
یَل :	پہلوان۔ بہادر۔
یَلو :	بہادرو !۔